اخاء 1390 ہش / اکتوبر 2011ء

جلد 52 / شمارہ 10 - 2011ء

ماھنامہ انصار اللہ

بیت الفتوح، برطانیہ

بیت الفتوح کا سنگ بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 19 / اکتوبر 1999ء کو رکھا
اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے 3 / اکتوبر 2003ء کو افتتاح فرمایا۔

ایڈیٹر
محمد محمود طاہر

فی پرچہ قیمت -/20 سالانہ -/200

حضور انور کا ڈینگی بخار کیلئے نسخہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے ڈینگی بخار کیلئے درج ذیل نسخہ تجویز فرمایا ہے۔

ڈینگی بخار میں مبتلا ہو جانے کی صورت

1- Aconite+ Arsanic Alb 200

2- Typhiodinum+ Pyrogenium 30

باری باری ہفتہ میں ایک ایک بار (تین دن کے وقفہ سے)

3- Bryonia + Rhustox+Ipecac +Eupatorium +China 30

ملا کر دن میں دو بار صبح اور شام

4- Echinacea-Q

دس قطرے چند گھونٹ پانی میں ملا کر دن میں دو بار۔ کھانے کے بعد

ڈینگی بخار کی وباء کے حفظِ ماتقدم کیلئے دوائیں

1- Dengue Fever -200

ہفتہ میں ایک بار

2- Bryonia + Rhustox+Ipecac +China +Eupatorium 30

ملا کر دن میں ایک بار

احمدی انصار کی تعلیم و تربیت کیلئے

ماہنامہ

انصاراللہ

ایڈیٹر: محمد محمود طاہر

اخاء 1390ھش اکتوبر 2011ء

جلد 52

شمارہ 10

فون نمبر 047-6212982۔ فیکس 047-6214631

موبائل نمبر مینیجر (0336-7700250)

ای میل: ansarullahpakistan@gmail.com

نائبین

☆ ریاض محمود باجوہ

☆ محمود احمد اشرف

☆ مبشر احمد خالد

پبلشر: عبدالمنان کوثر

پرنٹر: طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ:

فرحان احمد ذکاء

مقام اشاعت: دفتر انصاراللہ

دارالصدر جنوبی، چناب نگر (ربوہ)

مطبع: ضیاء الاسلام پریس

شرح چندہ ۔ پاکستان

سالانہ .... 200 روپے

قیمت فی پرچہ .... 20 روپے

اس شمارہ میں

اداریہ 2

القرآن والحدیث 3

کلام الامام 4

عربی منظوم کلام 5

فارسی منظوم کلام 6

اردو منظوم کلام 7

کیا انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے (محمود احمد اشرف) 8-12

نماز تہجد کی اہمیت و برکات (ڈاکٹر مسرور احمد) 13-15

میں عافیت کا ہوں حصار (قمر ایم۔اے) 16-19

عظیم درسگاہ تعلیم الاسلام کالج کی یادیں (ملک خالد مسعود) 20-27

سربستہ کارروائی قومی اسمبلی 1974ء اور ہم (ڈاکٹر مرزا سلطان احمد) 28-35

بدظنی تمام گناہوں کی جڑ ہے (نعیم احمد فرخ) 36-39

نظم۔ ہم احمدی انصار ہیں 40

☆☆☆

اداریہ

بلائے آسمانی اور ہماری ذمہ داریاں

وطن عزیز پاکستان ابھی گزشتہ سال کے تباہ کن سیلاب کے اثرات سے ہی نکل نہ پایا تھا کہ امسال کی مون سون نے ایک بار پھر اسے آفت بن کر گھیر لیا۔ اربوں روپے کا نقصان ہو چکا۔ لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے اور سینکڑوں جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ سیلاب کی آفت کے ساتھ ساتھ ڈینگی وائرس نے ہزاروں کو نشانہ بنایا ہے اور کڑوروں کو ہراساں کر رکھا ہے۔ ڈینگی کے حملے اور خوف کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ مشکل اور خوف و ہراس کی اس صورتحال میں ہم پر کئی طرح سے ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

الحمدللہ کہ ہم سب ایک نظام سے وابستہ ہیں ہم ایک ایسی وحدت کی لڑی میں پڑوئے ہوئے ہیں کہ اگر کسی ایک بھائی کو دکھ پہنچتا ہے تو اس کا دکھ نہ صرف سب محسوس کرتے ہیں بلکہ اس کی تکلیف اور مشکل کو کم کرنے کے لئے عملی اقدامات کرتے ہیں۔ انفرادی طور پر بھی اور من حیث الجماعت بھی یہ عمل جاری رہتا ہے۔ چنانچہ جماعت کی طرف سے انسانی ہمدردی کے تحت سیلاب سے متاثرہ خاندانوں کی ہنگامی امداد بھی کی گئی اور پھر ان کی آبادکاری کے لئے بھی اقدامات ہوں گے۔ ہنگامی امداد اپنوں اور غیروں سب کو فراہم کرنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ **"مد انسانی ہمدردی"** میں عطیات جمع کروا کے ہم سب اس کار خیر میں حصہ لے سکتے ہیں اور اپنے متاثرہ بھائیوں کی تکلیف کو دور کرنے میں مدد و معاون بن سکتے ہیں۔

ڈینگی وائرس کے لئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہومیوپیتھی نسخہ تجویز فرمایا ہے۔ جو ڈینگی وائرس کا شکار ہو چکے ان کے لئے بھی اور حفظ ماتقدم کے لئے بھی نسخہ دیا گیا ہے۔ اس نسخہ کو زیادہ سے زیادہ اپنے گرد و نواح میں رائج کر کے ہم دکھی انسانیت کی خدمت کر سکتے ہیں۔

مشکل کی اس گھڑی میں ہمیں اپنے مولیٰ کے حضور پہلے سے بڑھ چڑھ کر دعاؤں میں لگ جانا چاہئے کہ وہ وطن عزیز کو زمینی اور آسمانی آفات سے محفوظ رکھے۔ ہمیں قوم کی ہدایت کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو مامور من اللہ کی مخالفت کی بجائے اس کی قبولیت کی توفیق دے تا کہ یہ ارض وطن آسمانی اور زمینی آفات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے افضال و انعامات کی مورد بنے۔ آمین۔

القرآن

موجب رحمت

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(الاعراف:205)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے
تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو
تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

﴿ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ﴾

☆☆☆☆

حدیث نبوی ﷺ

عظمت قرآن

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:
خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ
الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ.

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب خیر کم من تعلم القرآن)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ
بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت
ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر
وہ ہے جو قرآن کریم سیکھتا اور
دوسروں کو سکھاتا ہے۔

"جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے"

(حضرت مسیح موعودؑ)

کلام الامام

قرآن کریم پر تدبر وتفکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''قرآن شریف تدبر وتفکر وغور سے پڑھنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے رُبَّ قَارٍیَلْعَنُہُ الْقُرْآنُ یعنی بہت سے ایسے قرآن کریم کے قاری ہوتے ہیں جن پر قرآن کریم لعنت بھیجتا ہے۔ جو شخص قرآن کریم پڑھتا اور اس پر عمل نہیں کرتا اس پر قرآن لعنت بھیجتا ہے۔ تلاوت کرتے وقت جب قرآن کی آیت رحمت پر گزر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ سے رحمت طلب کی جاوے اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ کے عذاب سے خدا تعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جاوے''۔ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 157)

اسی طرح آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی۔ تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے...... اس لئے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں .... اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی''۔ (ملفوظات جلد 1 صفحہ 386)

عربی منظوم کلام

وَمَا الْخَیْرُ اِلَّافِیْکَ یَا خَالِقَ الْوَرٰی

لَکَ الْحَمْدُ یَاتُرْسِیْ وَ حِرْزِیْ وَجَوْسَقِیْ
بِحَمْدِکَ یُرْوٰی کُلُّ مَنْ کَانَ یَسْتَقِیْ

اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہے سیراب ہو جاتا ہے

بِذِکْرِکَ یَجْرِیْ کُلُّ قَلْبٍ قَدِاعتَقٰی
بِحُبِّکَ یَحْیٰی کُلُّ مَیْتٍ مُمَزَّقِ

تیرے ذکر کے ساتھ ہر ایک دل ٹھہرا ہوا جاری ہو جاتا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔

وَبِاسْمِکَ یُحْفَظُ کُلُّ نَفْسٍ مِنَ الرَّدَا
وَفَضْلُکَ یُنْجِیْ کُلَّ مَنْ کَانَ یُزْبَقِ

اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے

وَمَا الْخَیْرُ اِلَّافِیْکَ یَا خَالِقَ الْوَرٰی
وَمَا الْکَھْفُ اِلَّا اَنْتَ یَا مُتَّکَأَ التَّقِیْ

اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیز گاروں کی پناہ گاہ ہے

وَتَعْنُو اِلَکَ الْاَفْلَاکُ خَوْفًا وَّھَیْبَۃً
وَتَجْرِیْ دُمُوْعُ الرَّاسِیَاتِ وَتَشْبِقُ

اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان جھکے ہوئے ہیں۔ اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں۔

﴿القصائد الاحمدیہ مترجم صفحہ 259﴾

فارسی منظوم کلام

در مدح قرآن کریم

از نور پاک قرآں ، صبح صفا دمیدہ   بر غنچہ ہائے دلہا بادصبا وزیدہ

قرآن کے پاک نور سے روشن صبح نمودار ہو گئی اور دلوں کے غنچوں پر بادصبا چلنے لگی۔

ایں روشنی و لمعاں شمس الضحٰی ندارد   ویں دلبری و خوبی ،کس در قمر ندیدہ

ایسی روشنی اور چمک تو دوپہر کے سورج میں بھی نہیں اور ایسی کشش اور حسن تو کسی چاندنی میں بھی نہیں

یوسف ، بقعر چاہے محبوس ماند تنہا   ویں یوسفے کہ تن ہا ، از چاہ برکشیدہ

یوسف تو ایک کنوئیں کی تہہ میں اکیلا گرا تھا مگر اس یوسف نے بہت سے لوگوں کو اس کنوئیں سے نکالا ہے

از مشرق معانی صدہا دقائق آوردہ   قد ہلال نازک ، زاں نازکی خمیدہ

منبع حقائق سے یہ سینکڑوں حقائق اپنے ہمراہ لایا ہے۔ہلال نازک کی کمر ان حقائق سے جھک گئی ہے

کیفیت علومش دانی چہ شان دارد   شہدیست آسمانی از وحی حق چکیدہ

تجھے کیا پتہ کہ اس کے علوم کی حقیقت کس شان کی ہے؟ وہ آسمانی شہد ہے جو خدا کی وحی سے ٹپکا ہے

﴿درثمین فارسی مترجم صفحہ: 74﴾

اردو منظوم کلام

اوصاف قرآن مجید

نورفرقاں ہے جو سب نوروں سے اَجلیٰ نکلا پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا ناگہاں غیب سے یہ چشمہ اصفیٰ نکلا
یا الٰہی! تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں مے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور ایسا چمکا ہے کہ صد نیر بیضاء نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا
جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا

(درثمین اردو صفحہ:7)

کیا انسان عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟

﴿مکرم محمود احمد اشرف صاحب﴾

ایک دفعہ ایک نوجوان کو قرآن کریم کی ایک آیت کے حوالے سے یہ توجہ دلائی کہ زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میں بھی یہ ایمان رکھتا ہوں کہ انسان کو عبادت کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے مگر بعض اوقات میرا دل عجیب قسم کے وساوس کا شکار ہونے لگتا ہے۔ برے خیالات کا سرعام اظہار اگرچہ نہیں کرنا چاہئے لیکن جس طرح علاج کے لیے بعض اوقات اپنے ننگ بھی ظاہر کرنے پڑتے ہیں اسی طرح اگر وساوس کو بھی کسی مناسب جگہ بیان کر دیا جائے تو نہ صرف یہ اچھا ہے بلکہ بعض اوقات ضروری بھی ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا آپ نے کبھی مزدوروں کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہے۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ اس سوال کا پہلی بات سے بھلا کیا تعلق ہوا۔ کہنے لگے آپ اس کا پہلے جواب دیں تعلق میں پھر بتاتا ہوں۔ میں نے کہا وقت تو شاید نہ گزارا ہو لیکن بارہا انھیں کام کرتے دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ دو وقت کی روٹی کمانے کے لیے انھیں دن رات جد وجہد کرنا پڑتی ہے۔ کولہو کے بیل کی طرح ان کی زندگی بسر ہوتی ہے۔ بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے انھیں خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے۔ مجھے ان مزدوروں کو دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ یہ بیچارے کیسے عبادت کر سکتے ہیں۔ میں جواب کے لیے خیالات کو مجتمع ہی کر رہا تھا کہ انھوں نے ایک اور سوال کر دیا۔ کہنے لگے مجھے آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ کبھی ہسپتال گئے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ بارہا اپنی بیماری یا دوسروں کی بیماری کے سلسلے میں ہسپتال تو جانا ہی پڑتا ہے۔ لیکن آپ یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ میں تو جب ہسپتالوں میں جاتا ہوں تو مجھے یہ خیال آتا ہے کہ نعوذ باللہ شاید انسان کو طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ غرضیکہ وہ دوست زندگی کے طرح طرح کے مسائل کا ذکر کرتے رہے۔ یہاں تک انھوں نے کہا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ موسموں کی سختیاں دیکھ کر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ شاید انسان کو گرمی سردی کی تکالیف برداشت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ان کی بات جاری تھی اور وہ اسی موڈ میں باتیں کرتے جا رہے تھے کہ میں نے انھیں کہا کہ زندگی میں مسائل تو بہر حال ہیں۔ لیکن آپ کا یہ کہنا کہ انسان کو ان مسائل میں مبتلا رکھنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے

بالکل درست نہیں ہے۔ اس بات کو متعدد پہلوؤں سے بیان کیا جا سکتا ہے لیکن میں اس وقت اس کا صرف ایک پہلو بیان کروں گا۔

میں نے کہا کہ آپ کی پہلی بات کا تعلق زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل سے ہے۔ آپ ان ضرورتوں کو پورا کرنے میں اس طرح مصروف ہو گئے ہیں کہ بعض باتیں آپ نے بالکل فراموش کر دی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ وہ باتیں کیا ہیں۔ میں نے عرض کی کہ انسان بے شک اپنی کچھ ضرورتیں اپنی محنت کر کے پوری کرتا ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کی کسی بڑی ضرورت کو بلا معاوضہ پورا کر دے تو وہ ساری عمر اس کے گن گاتا رہتا ہے۔ لیکن اس دنیا میں شاید اربوں انسان ایسے ہوں جنہیں کبھی یہ خیال نہیں آیا زندہ رہنے کے لیے اگر ایک ارب چیزوں کی ضرورت ہے تو ان میں سے ایک چیز شاید ایسی ہوگی جسے انسان اپنی محنت سے یا کسی اپنے جیسے دوسرے انسان کی مدد سے حاصل کرتا ہے۔ وہ دوست کہنے لگے کہ ایک چیز تو نہیں ہے وہ تو بہت زیادہ ہیں۔ میں نے عرض کی کہ میں نسبت کی بات کر رہا ہوں۔ انہیں میری بات پوری طرح سمجھ نہ آئی تھی یا وہ اس سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ ایک کاغذ اور قلم لے کر آئیں۔ میں نے کہا آپ کو جن جن چیزوں کی زندہ رہنے کے لیے ضرورت ہے ان کی ایک فہرست بنانا شروع کریں۔ کہنے لگے ابھی بنا دیتا ہوں۔ انھوں نے قریباً تین چار منٹ میں جلدی جلدی کچھ لفظ لکھے اور کاغذ میرے حوالے کر دیا۔ اس پر آٹھ دس چیزیں لکھی تھیں ان میں سے بعض یہ تھیں کھانا، ہوا، پانی، کپڑے، بجلی، سورج وغیرہ۔ میں نے عرض کی کہ جن ہاتھوں سے آپ یہ فہرست بنا رہے ہیں کیا آپ کو ان کی ضرورت نہیں۔ جن آنکھوں سے آپ دیکھ رہے ہیں ان کے بغیر آپ کا کام چل سکتا ہے۔ جس دماغ سے آپ نے سوچ کر یہ فہرست بنائی ہے اس کو آپ نے کیوں اس میں درج نہیں کیا؟ جس زمین پر آپ کھڑے ہیں کیا اس کے بغیر بھی ہمارا کام چل سکتا ہے۔ کھانے کا آپ نے ذکر کیا ہے مگر کیا کھانا کسی کام آ سکتا ہے اگر جگر سینکڑوں کیمیائی مادے نہ بنائے۔ اگر معدہ تیزاب پیدا نہ کرے۔ آپ نے پانی کا ذکر کیا ہے لیکن کیا پانی آپ کو زندہ رکھ سکتا ہے اگر گردے اس پانی کو خارج نہ کر رہے ہوں۔ آپ نے سورج کا ذکر کیا ہے لیکن اس کرہ ہوائی کو آپ بھول گئے ہیں جو اگر موجود نہ ہو تو سورج کی روشنی ہی ہمیں ہلاک کر دے۔ پھر جس کشش ثقل کی وجہ سے یہ کرہ ہوائی قائم ہے کیا اس کا ذکر ضروری نہیں ہے۔ وہ دوست کچھ حیران سے ہو کر مسکرانے لگے اور کہا کہ واقعی مجھے ان چیزوں کا خیال ہی نہیں آیا۔ تب میں نے عرض کی کہ یہ فہرست آپ یا میں مکمل کر ہی نہیں سکتے۔ ہماری لامحدود ضرورتیں ہیں جو خدا نے پوری کی ہوئی ہیں۔ اس کی نعمتوں کی ہم گنتی بھی نہیں کر سکتے۔ اول تو ہمیں ان نعمتوں کا علم ہی نہیں ہے۔ جن کا علم ہے ان کا پورا

احساس نہیں ہے۔غرضیکہ یہ سب بے شار نعمتیں خدا نے ہمارے لیے مہیا کر رکھی ہیں۔ہاں ان لاکھوں ضرورتوں میں سے ایک آدھ ایسی ہے جس کے لیے ہمیں محنت کرنا پڑتی ہے۔یا دوسرے انسانوں سے کچھ مدد لینا پڑتی ہے۔اس لیے سب سے پہلے تو میری آپ سے یہ گزارش ہے کہ روٹی کمانے کے لیے آپ جو محنت کرتے ہیں اس میں یہ بات کم از کم یاد تو رکھیں کہ ہماری بے شار ضرورتیں اللہ تعالیٰ نے بلاکسی کوشش کے پوری کر رکھی ہیں۔وہ کہنے لگے کہ یہ تو فلسفیانہ باتیں ہیں جو آپ کر رہے ہیں۔میں نے عرض کیا کہ یہ وہ حقائق ہیں جو ہماری نظروں سے اس لیے اوجھل رہتے ہیں کہ ہم ان چند فوری ضروریات میں الجھے رہتے ہیں۔میں نے کہا کہ ایک مرتبہ کسی انگریزی کتاب میں پڑھا تھا کہ بھیڑیں سر جھکائے گھاس چرتی رہتی ہیں اور اس کام میں وہ اس قدر مگن ہوتی ہیں کہ مقررہ چراگاہ سے بہت دور نکل جاتی ہیں اور پھر کسی خونخوار درندے کا شکار بن جاتی ہیں۔میں نے عرض کی کہ انسان کی مثال بھی کچھ ایسے ہی ہے۔پس اگر وہ نظر اٹھا کر حقائق کو نہیں دیکھے گا تو سخت نقصان کا احتمال ہے۔اور اس نقصان کے ہم میں سے بہت سے لوگ شکار ہو جاتے ہیں۔اورصرف مذہب ہی ہمیں اس نقصان سے محفوظ رکھ سکتا ہے اگر ہم اس کے احکامات کے مطابق وسیع تر مفہوم میں عبادت کرنے والے ہوں۔

وہ نوجوان کہنے لگے کہ ٹھیک ہے مجھے آپ کی یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے لیکن وہ نعمتیں جو سب انسانوں کو یکساں طور پر حاصل ہیں ان پر مجھے غور کرنے سے کیا فائدہ ہو گا۔میں نے کہا کہ نعمتوں کا حاصل ہونا اتنا اہم نہیں جتنا اہم ان سے فائدہ اٹھانا ہے۔اس اعتبار سے ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں سب انسانوں کو یکساں طور پر حاصل ہیں۔حاصل تو دراصل اسے ہیں جو ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔وہ شخص جسے ان نعمتوں کا احساس بھی نہیں ہے کیونکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نعمتیں اسے حاصل ہیں۔وہ تو ان سب نعمتوں سے بالکل بے بہرہ ہے۔اور اس نے اپنی فکر کو اپنی ان کوششوں تک محدود کر دیا ہے جو وہ کرتا ہے اور اس کوتاہ نظر کی وجہ سے وہ روز بروز چھوٹا ہوتا جا رہا ہے۔میں نے کہا کہ وہ کام جن کے متعلق آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ انسان کرتا ہے بھلا مجھے بھی بتائیں کہ وہ کام کونسا ہے۔کہنے لگے کہ مثلاً یہی کہ وہ غذا کے حصول کے لیے فصلیں اُگاتا ہے۔میں نے کہا کہ اب آپ اسی پر غور کر لیں کہ اس کام کا کتنے فیصد انسان کرتا ہے اور کتنا کام ہے جو خدا تعالیٰ نے کر رکھا ہے۔دیکھا جائے تو ہر چیز خدا تعالیٰ نے پہلے سے کر رکھی ہے۔زمین،پانی،ہوا، روشنی، بیج غرضیکہ کیا نہیں ہے۔کسان جو فصل اُگاتا ہے تو اسے محنت کرنا پڑتی ہے لیکن اس کی محنت کو اگر ان تمام وسائل کی نسبت سے دیکھا جائے جو خدا نے اسے مہیا کر رکھے ہیں تو شاید یہ کہنا ایک مذاق معلوم ہو کہ کسان فصل اگاتا ہے۔ انسان کے سپرد اللہ تعالیٰ نے معمولی سی کوشش کر رکھی ہے۔

اگر وہ یہ کام کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا کام کرلیا ہے تو یہ بات ایمان سے زیادہ حقائق کے خلاف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا اس وقت ہوگا جب وہ ان بے شمار کاموں کو نظر انداز کر رہا ہوگا جو خدا نے اس کے لیے کر رکھے ہیں۔ وہ خیالات کی جس دنیا میں رہ رہا ہوگا وہ حقیقی دنیا سے بالکل مختلف ہو گی۔ اور اس کم نظری کا اکثر لوگ شکار ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے انسان کی اس ذہنی حالت کو تبدیل کرنے کی بار بار کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر زمین کا پانی اتنا گہرا ہو جائے کہ تم اسکو نکال ہی نہ سکو تو پھر تم کیا کرو گے۔ اب اگر انسان اسی سوال پر واقعی غور کرتا رہے تو اس کی ذہنی کیفیت تبدیل ہوگی۔ اس میں ایک شکرگزاری اور ایک عاجزی پیدا ہوگی۔ اور وہ اپنے معمولی سے کاموں میں ذہنی طور پر مصروف ہونے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر غور کرے گا جو ہر وقت اسے حاصل ہیں۔ اس کا اطمینان بڑھے گا کہ جس خدا نے اتنے انتظام کر رکھے ہیں وہ مجھے اس دنیا میں محض چند ضرورتوں کی وجہ سے ذلیل نہیں ہونے دے گا۔ جس خدا نے بے شمار کام میرے لیے کئے ہوئے ہیں وہ اس لیے نہیں ہیں کہ میں اس دنیا میں بھوک، بیماری یا دیگر مشکلات میں مبتلا ہو کر مر جاؤں۔ جتنا جتنا آپ خدا کی نعمتوں کا علم حاصل کرتے جائیں گے یا جتنا جتنا آپ کو ان کا شعوری احساس ہوتا جائے گا اتنا اتنا ہی آپ کو یہ یقین ہوتا جائے گا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ اتنے بڑے اور وسیع انتظام کے ہوتے ہوئے میں دنیا میں ان مسائل کے ہاتھوں تباہ برباد ہو جاؤں۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہے تو مجھ میں میری سوچ میں اور میرے عمل میں کوئی خرابی ہے جس کی وجہ سے میں مسائل کا اس بُری طرح شکار ہو گیا ہوں۔ پس پہلے تو آپ کو اس حقیقت کا احساس ہونا چاہئے جو ہم اپنے روزمرہ کے کاموں میں اُلجھ کر اکثر فراموش کر دیتے ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو قرآن کریم نے بہت مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا اس کے لیے تنگی کی زندگی ہوگی۔ بہرحال اب میں آپ کی بات کے براہ راست جواب کی طرف آتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ انسان کو خدا نے بے شک رہینِ محنت بنایا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ محنت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ایک ایسی مشقت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں اس کی زندگی ایک عذاب بن جائے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگر حقیقی لذت اور راحت چاہتا ہے تو پھر اسے یہ محنت کرنی چاہئے۔ صحیح تکنیک یعنی درست انداز میں محنت انسان کو آسودگی عطا کرتی ہے۔ اور عبادت کے معنی یہ ہیں کہ انسان خدا تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے محنت کرے۔ لیکن دنیا میں اکثر لوگ جو محنت کرتے ہیں وہ ہمہ وقت ان ضرورتوں کو اپنا آخری مطمحِ نظر سمجھ کر اس کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی کم نظری بالآخر ایک قسم کی نابینائی پر منتج ہوتی ہے۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ

کے منصوبے اور اس کے طریق کار اور اس کی صفات کو دیکھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔اور یہ واقعہ اکثر ہوتا ہے اسی لیے دنیا کے سامان کو اللہ تعالیٰ نے ایک عارضی متاع بلکہ دھوکے کا سامان قرار دیا ہے۔سب سے بڑا دھوکہ تو یہی لگتا ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ ان سب چیزوں سے اسے کوئی مستقل خوشی حاصل ہو جائے گی۔حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔وہ ایک دوسرے سے اس دوڑ میں آگے نکلنے کے لیے اپنا چین اور سکون کھو دیتا ہے۔اب وہ محنت تو بہت کر رہا ہے مگر اس کی تکنیک درست نہیں ہے۔اس کی سوچ میں خرابی ہے۔پس وہ لوگ جو کولہو کے بیل کی طرح دن رات کام کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ انہیں عبادت کا وقت ہی نہیں ملتا انہیں سب سے پہلے اپنے سارے نظامِ فکر کا ازسرِ نو جائزہ لینا چاہئے۔ اگر وہ دیانت داری کے ساتھ غور کریں گے تو ضرور ان کو اپنے اندر وہ غلط تصورات نظر آئیں گے جو دراصل ان کی بے چینی کا موجب ہیں۔

وقت مسیحا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''اے لوگو! میں وہی مسیح ہوں جو اپنے وقت پر آیا اور آسمان سے روشن دلیل کے ساتھ نازل ہوا۔ اور تمہیں اس نے اللہ کے نشانات دکھائے ہیں، تم میں، اپنی ذات میں اور اپنے انصار میں''۔

(علامات المقربین اردو ترجمہ صفحہ:93)

ہستی باری تعالیٰ کے سات دلائل

حضرت مصلح موعودؓ کی تحریرات کی روشنی میں

﴿مکرم مظفر احمد ملک صاحب کراچی﴾

1 ☆ ماضی قدیم میں انسان مختلف جگہوں پر رہتے تھے اور ان میں باہم روابط نہیں ہوتے تھے۔وہ ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ نہیں ہوسکتے تھے۔تب بھی ہر جگہ خدا تعالیٰ کا تصور موجود تھا۔کیونکہ خدا نے ہر قوم میں اپنا پیغام بھیجا تھا۔

2 ☆ ہر قوم میں سچے افراد ہوتے ہیں۔ایسے افراد خدا کے وجود کی ذاتی گواہی دیتے ہیں۔قانون شہادت کے مطابق بھی ان کی گواہی تسلیم کی جانی چاہئے۔

3 ☆ انسانی فطرت میں نیک اور بد میں تمیز ایک بالا ہستی کی عطا ہے۔

4 ☆ نظام کائنات باہم مربوط منظم اور پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ایک بالا ہستی کی موجودگی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

5 ☆ انتہائی پاکیزہ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نے ان کو اپنی تعلیمات کے ساتھ بھیجا اور وہ ضرور غالب ہوں گے۔ پھر دنیا دیکھتی ہے کہ ہر قسم کی مشکلات اور شدید مخالفتوں اور سخت رکاوٹوں کے وہ غالب آجاتے ہیں۔یہ ہستی باری تعالیٰ کی دلیل ہے۔

6 ☆ قبولیت دعا کے صاحب تجربہ لوگ موجود ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا دعائیں قبول کرنا اس کی ہستی کا ثبوت ہے۔

7 ☆ خدا کے نبی کے ذریعہ کی گئی پیش گوئی میں ایک شان ہوتی ہے نبی کو غیب کی خبروں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کھلا اظہار دیا جاتا ہے۔

نماز تہجد کی اہمیت و برکات

﴿مکرم ڈاکٹر مسرور احمد صاحب ۔کراچی﴾

صبح کے نوافل ادا کرنے کی اہمیت :

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَاۤ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۔ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً ۔ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً ۔اَوْ زِدْ عَلَيْهِ ۔(المزمل 2تا5)

اے اچھی طرح چادر میں لپٹنے والے! رات کو قیام کیا کر مگر تھوڑا۔ اسکا نصف یا اس میں سے کچھ تھوڑا سا کم کردے۔ یا اس پر کچھ زیادہ کردے۔“

سورۃ بنی اسرائیل آیت 80 میں فرماتا ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔ اور رات کے ایک حصے میں بھی اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھا کر۔ یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہوگا۔

قرآن کریم میں نماز تہجد کی اہمیت سے ثابت ہے کہ ہمیں نماز تہجد ادا کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ نے کیا ہی پیارا وقت نماز تہجد کیلئے بیان کیا ہے کہ نصف رات کے بعد اور سورج نکلنے سے پہلے ان رکعات تہجد کا ادا کرنا ضروری ہے اور وہ امور جن پر سچی معرفت کی بناء ہے اور یہی سچی نعمت حقیقی راحت ہوتی ہے۔ اس وقت دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس وقت سرور اور لذت سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور روح پانی کے ایک مصفّٰی چشمہ کی طرح خدا کی طرف بہتی ہے۔

اہمیت ازروئے حدیث:

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان یا غیر رمضان میں پچھلی رات میں تہجد کے وقت گیارہ رکعت سے زیادہ نفل نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ 4 رکعتیں پڑھتے انکی خوبصورتی اور لمبائی کا نہ پوچھئے۔ پھر 4 رکعتیں پڑھتے تھے انکی لمبائی اور خوبصورتی کا نہ پوچھئے۔ پھر اسکے بعد 3 رکعتیں پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وتر ادا کرنے سے قبل آپ سوتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا اے عائشہؓ میری آنکھیں تو سوجاتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔ (بخاری کتاب الصوم)

حضرت بلالؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہیں نماز تہجد کا التزام کرنا چاہئے کیونکہ یہ گزشتہ صالحین کا طریق رہا ہے۔ اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ یہ عادت گناہوں سے روکتی ہے۔ برائیوں کو ختم کرتی ہے اور جسمانی بیماریوں سے بچاتی ہے۔“ (ترمذی ابواب الدعوات)

ارشادات حضرت مسیح موعودؑ:

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

”جب انسان محض حق جوئی کیلئے تھکا نہ دینے والے صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور مجاہدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدے کے موافق اس

پر ہدایت کی راہ کھول دیتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت: 70)

یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر سعی اور مجاہدہ کرتے ہیں آخر ہم انکی راہوں کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 461)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اس مقام پر انسان کی روح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی اللہ سے اسے انقطاع تام ہو جاتا ہے۔ اس وقت خدائے تعالیٰ کی محبت اس پر گرتی ہے۔ اس اتصال کے وقت ان دو جوشوں سے جو اوپر کی طرف سے ربوبیت کا جوش اور نیچے کی طرف سے عبودیت کا جوش ہوتا ہے، ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا نام صلوٰۃ ہے۔ پس یہی وہ صلوٰۃ ہے جو سیّات کو بھسم کر جاتی ہے اور اپنی جگہ ایک نور اور چمک کو چھوڑ دیتی ہے۔ جو سالک کو راستے کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خار وخس سے اور جو اس راہ میں ہوتی ہیں آگاہ کر کے بچاتی ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 105)

''حضرت اقدس نے ان الہامات کے بعد جماعت کو بڑی تاکید کی کہ وہ تیاری کرو۔ نمازوں میں عاجزی کرو، تہجد کی عادت ڈالو، تہجد میں رو رو کر دعائیں مانگو کہ خدا تعالیٰ گڑگڑانے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔ ہمارے مبارک امام علیہ السلام بھی بار بار یہی وصیت فرماتے ہیں کہ جماعت متقی بن جاوے اور نمازوں میں خشوع و خضوع کی عادت کریں اور ایک روز بڑے درد سے فرمایا کہ اصلاح و تقویٰ پیدا کریں ایسا نہ ہو کہ تم میری راہ میں روک بن جاؤ''۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 153 منقول از خط حضرت مولوی عبدالکریم صاحب)

سب سے بڑا وظیفہ: حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں۔''والمقیمی الصلوٰۃ نماز سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں تسبیح تکبیر تمام لوگوں کیلئے دعا اور تبتل الی اللہ، اللہ کی جانب سے پناہ، درود سب کچھ اس میں موجود ہے بلکہ اسکی ہیئت بھی جامع ہے تمام تعظیمات کی اور ذکر بھی جامع ہے تمام اذکار کا اور اس میں تعظیم لامر اللہ ہے۔

(حقائق الفرقان جلد 3 ص 149)

اکیسویں صدی میں داخل ہونے کا اسلوب: حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بیان فرمایا۔

''یہ مضمون ایسا ہے کہ میں کبھی اس مضمون کو بیان کرنے سے تھک نہیں سکتا۔ میرے دل میں اس بارے میں درد و غم کی ایک ایسی آگ لگی ہوئی ہے آپ میں سے بہت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہرگز میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے والا نہیں ہوگا جب تک اگلی صدی میں داخل ہونے سے پہلے مجھے یہ چین نصیب نہ ہو جائے کہ جماعت نماز کے معاملے میں آج سینکڑوں گنا زیادہ بیدار ہو چکی ہے اور ہم اگلی صدی میں اس طرح خدا کے حضور سر جھکا کر داخل ہو رہے ہیں۔ ہم اور ہماری بیویاں، ہماری مائیں اور ہماری بیٹیاں اور ہماری بہنیں اور ہمارے بھائی سارے بڑے اور سارے چھوٹے خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے اسکی

عبادت کی روح کو سمجھتے ہوئے......دعائیں کرتے ہوئے اگلی صدی میں داخل ہو رہے ہیں۔"

(الفضل 21/جولائی 2000ء)

حقیقی نماز: حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں:

"وہ نماز جس سے خدا غائب سے حاضر میں آجاتا ہے۔ وہ نماز جو عالم الغیب والشھادۃ کو عالم غیب سے عالم شہود میں اتار دیتی ہے وہی نماز ہے جو شہادت کا مقام رکھتی ہے۔ وہی نماز ہے جو نمازی کو شہید بنا دیتی ہے پھر خواہ اسکی جان خدا کی راہ میں جائے یا نہ جائے اسکا اُٹھنا بیٹھنا، اسکا مرنا جینا سب کچھ خدا کیلئے ہو جاتا ہے......نماز سے آپ پہچان لیں گے نماز صالح ہوگئی تو آپ صالح ہو گئے۔ نماز شہید بن گئی تو آپ بھی شہید ہو گئے، نماز صدیق ہوگئی تو آپ بھی صدیق ہو گئے"۔ (خطبات طاہر جلد 4 ص 983، 984)

احمدی کی پہچان: حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یاد رکھو یہی......کی شان ہے اور یہی ایک احمدی کی بھی شان اور پہچان ہونی چاہئے اور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنیوالا ہو اور یہی عبادتیں ہیں جو اسے عاجزی میں بھی بڑھائیں گی اور یہی عاجزی ہے جو پھر اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا موقع بھی مہیا کریگی......اور پھر یہ کہ عبادتیں کرنے والے عبادتوں میں تھکتے بھی نہیں، بے صبرے بھی نہیں ہوجاتے۔ یہ سوال بھی نہیں اٹھاتے کہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھنی مشکل ہیں بلکہ اپنی پیدائش کے مقصد کو پہچانتے ہوئے خدا تعالیٰ کے سامنے جھکے رہتے ہیں......

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 874)

روشنی بن کے زمانے میں بکھرتے رہنا

﴿مکرم عبدالکریم قدسی صاحب﴾

دل کی بستی کو محبت سے نہ خالی رکھنا
اپنے آباء کی وراثت کو سنبھالی رکھنا

نفع نقصان نہیں عشق میں دیکھا جاتا
ان سے ملنے کی کوئی راہ نکالی رکھنا

بے ضرر کتنے بھی پُر امن پڑوسی ہوں مگر
گھر میں رکھی ہوئی بندوق خالی نہ رکھنا

عجز نے رفعتیں پائی ہیں ہمیشہ لوگو
سچے ہو کر بھی طبیعت نہ جلالی رکھنا

روشنی بن کر زمانے میں بکھرتے رہنا
شہر ظلمات میں کردار مثالی رکھنا

شعر کہنے کا سلیقہ تو ہے تجھ میں قدسیؔ
دھیان میں ان کا مگر منصب عالی رکھنا

ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

﴿از قمر ایم اے﴾

امام وقت مسیح ومہدی موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانیوالی آفتیں ظاہر ہونگی کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے جیسا کہ خدا نے فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:16) اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں ان پر رحم کیا جائیگا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہر گز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا، یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید اُن سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔ اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا، جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مردہ ہے نہ کہ زندہ۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 268،269)

خدا کے اس فرستادہ کی اس تحریر کا جب گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک طرف کیا پاکستان، کیا ہندوستان، کیا چین، کیا جاپان، کیا انڈونیشیا اور کیا امریکہ اور کیا برطانیہ کس ملک نے نوح کا زمانہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ابھی پچھلے سال کی ہی بات ہے کہ پاکستان کے بہت سارے علاقے ایک شدید سیلاب کی زد میں آ گئے جن کے اثرات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے کہ ایک

امسال ہونے والی بارشوں نے پورے پاکستان بالخصوص سندھ بھر میں ایک بار پھر تباہی مچا دی، مٹھی جیسے علاقے میں ایک دن میں 400 ملی میٹر سے زائد بارش ہوئی۔حقیقت میں جل اور تھل ایک ہو گئے۔پانی اسقدر زیادہ تھا کہ ایک قیامت کا سا سماں دکھائی دیتا تھا ہر طرف پانی ہی پانی، سب اپنے آپ کو اس قدر بے بس اور لاچار سے محسوس کر تے جس سے بظاہر بچنے کی بھی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی۔ ہر ذی شعور اس کو نوح کے زمانے سے تشبیہ دے رہا تھا، خدا کا عذاب سمجھ رہا تھا مگر ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اس کو خدا کے عذاب کی بجائے آزمائش قرار دے کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ مورخہ 24/اگست 2011 کوہستان میں ہونے والی بارش کے نتیجے میں 60 افراد سیلابی ریلے میں بہہ کر مر گئے جبکہ ایک گاؤں سرے سے ہی مٹ گیا۔انڈونیشیا میں چند سال قبل سونامی آیا تھا جہاں پانی کی لہریں تیس تیس فٹ تک بلند ہو کر بستیوں کی بستیاں ویران کر گئیں اور لاتعداد انسانوں کو نگل گئیں اور جو معاشی نقصان ہوا وہ الگ، اس سال جاپان کے لوگوں نے بھی شدید زلزلے کے ساتھ ساتھ سونامی جیسے طوفان کا مزہ بھی چکھا، اس خدائی عذاب کے نتیجے میں جو معاشی نقصان ہوا وہ الگ جو انسانی جانیں اور املاک ضائع ہوئیں ان کا شمار ہی نہیں، ٹیوٹا اور ہنڈا جیسی کاروں کے پلانٹ تک ایک لمبا عرصہ بند رہے اور تو اور ان علاقوں میں موجود ایٹمی پلانٹس کو بھی اسقدر شدید نقصان پہنچا کہ ان پلانٹس سے ایٹمی تابکاری بخارات خارج ہونے لگے اور انسانی زندگی کے لئے خطرات پیدا ہو گئے، امریکہ میں بھی اس کے ایک شہر میں سونامی نے نہ صرف تباہی مچائی بلکہ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ سونامی کی وارننگ جاری کی گئیں جبکہ مورخہ 28 اگست 2011 کو آنے والے طوفان (سونامی) کی شدت ایک سو بیس کلومیٹر فی گھنٹہ تھی جس کی بنا پر کئی ہوائی اڈے بند کرنے پڑے اور زمین دوز ریلوے کے نظام کو معطل کرنا پڑا ایسی حال چین کا ہے جہاں شدید سیلاب آیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جن برائیوں میں مشغول تھی ہمارے اردگرد کے لوگ بھی نہ صرف ان بیماریوں میں مبتلا ہیں بلکہ یہ برائی تو اب دنیا بھر میں عام ہوتی جا رہی ہے اور تو اور عدل کی کرسی پر بیٹھنے والے بھی اس قدر اندھے ہیں کہ ہم جنس پرستی کے ساتھ ساتھ جنسی پیاس بجھانے کیلئے معصوم بچوں (لڑکوں) کے ساتھ ساتھ جانوروں تک کے استعمال کو بھی جائز قرار دے چکے ہیں جس کے بعد اس مقصد کیلئے یورپ بھر میں آزادی انسان کے نام پر لاتعداد سنٹر اور کمپنیاں قائم ہو چکی ہیں۔

دوسری طرف جب امن کی بابت دیکھتے ہیں تو جس طرف نگاہ جاتی ہے انسانی ظلم و بربریت، قتل و غارت، تباہی اور بربادی کی المناک داستانیں سننے، پڑھنے اور دیکھنے کو ملتی ہیں، انسان کہلانے والے انسانوں کو مارتے ہی چلے جا رہے ہے، شہروں کے شہر تباہ کر رہے ہیں۔عراق میں ایک دن میں دس کے قریب بم دھماکے ہوئے اور ان بم دھماکے کرانے والوں کا انتباہ ہے کہ انہوں نے اسامہ بن لادن کا بدلہ لینے کیلئے مزید ایک سو بم/خودکش دھماکے کرنا ہیں جن

کے نتیجے میں جو تباہی اور بربادی ہوگی اس کا اندازہ آپ خود ہی کرلیں ، افغانستان پر ویسے ہی خدا کا غضب اس طرح نازل ہے کہ آج سوا سو سال ہونے کو ہیں پر اس خطہ میں امن پیدا ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ شام کا حال ہمارے سامنے ہے، ہر روز لوگ مظاہرے کر رہے ہیں، لیبیا کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں قذافی کا اقتدار اختتام کو پہنچ چکا ہے، اس سے پہلے عصر حاضر کا مصری ڈکٹیٹر اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ سوڈان کے لوگ اپنے ملک کے دو ٹکرے کر کے خوش ہیں۔ بحرین اور یمن میں لوگوں نے اپنے اوپر مسلط حکمرانوں سے نجات کیلئے مظاہروں کے علاوہ اپنی بستیوں کو بھی تباہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، برطانیہ میں بھی گھیراؤ جلاؤ اور لوٹ مار کا بازار گرم رہ چکا ہے۔

پاکستان جہاں امام وقت کے ماننے والوں کو سب سے زیادہ ستایا گیا تھا کا کیا حال ہو چکا ہے، کراچی جیسے پر رونق شہر میں اس وقت انسانی درندگی اپنے عروج پر ہے کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہر کوئی دوسرے کے لئے موت بنا ہوا ہے، حکومت بے بس اور شہری پریشان حال، کوئی پولیس کی نا اہلی کا رونا رو رہا ہے تو کوئی رینجر کی کارکردگی کو نشانہ بنائے ہوا ہے تو کوئی مدد کیلئے فوج کو بلا رہا ہے سب.. سیاستدانوں، مولویوں اور دوسرے لوگوں کو یہ سب ادارے یاد ہیں کہ ان سے مدد لی جائے۔ لیکن افسوس کہ اس مشکل گھڑی میں بھی کسی کو نہیں یاد آ رہی تو وہ خدا کی یاد نہیں آ رہی کوئی خدا کو نہیں بلا رہا، کوئی اس سے مدد کا طالب نہیں جو سب سے زیادہ طاقت ور اور دلوں کو پھیرنے والا ہے۔

خدا کے فرستادہ نے جو کہا تھا کہ نہ عرب کے لوگ امن میں ہیں اور نہ عجم کے لوگ سکون سے ہیں ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے بالکل ٹھیک کہا تھا، کون سی سرزمین ہے جہاں امن ہے، سکون ہے؟ جو خدا کے محبوب ہوتے ہیں ان کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کی عظمت اور سچائی کا نشان بن کر دنیا کے سامنے آتا ہے یہ الگ بات ہے کہ عقل کے اندھوں اور جاہلوں کو اس طرح کے نشانوں کے پورا ہونے پر پیدا ہونے والی روشنی کبھی دکھائی نہیں دیا کرتی اور وہ اپنے آپ کے علاوہ دوسروں کو دھوکہ دینے کے کئی کئی بہانے گھڑتے ہیں اور تاویلیں کرتے ہیں مگر سچائی کا نور جو خدا کا نور ہوتا ہے ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ حکومتی ادارے اور لوگ طرح طرح کے منصوبے بنا رہے ہیں، نت نئے طریقے اختیار کر رہے اور سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ دنیا میں کسی طرح امن قائم ہو جائے مگر امن کی کوئی صورت پیدا ہونے کو ہی نہیں آ رہی۔

آج سب سے زیادہ مشکلات و مصائب کا شکار مسلمان ہیں اور ان کو ہونا بھی چاہئے کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس خدا کے پیارے رسول اور نبی کے ساتھ منسوب کرتے ہیں جس کے لئے زمین و آسمان پیدا کئے گئے، جس کو آقائے دو جہاں ﷺ کہا گیا جس کو رحمت للعالمین ﷺ کہا گیا، مگر افسوس کہ آپ ﷺ کے ماننے والوں نے اپنے مخصوص مفادات کی خاطر لوگوں کے سامنے اللہ اور اس کے دین کو ایک شدت پسند دین کے طور پر پیش کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر مسلم مذہب کو ایک شدت پسند مذہب سمجھنے لگے اور اس کی طرف

راغب ہونے کی بجائے اس سے دور ہونے لگے۔ نیز یہ لوگ اس لئے بھی مشکلات و مصائب کا شکار ہیں کہ یہ سب خدا کے پیارے امام وقت کے انکاری ہوگئے ہیں۔

دنیا میں امن آج بھی قائم ہوسکتا ہے بشرطیکہ مامور من اللہ کی غلامی میں آجائیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو یادرکھیں کہ جس قدر چاہیں حیلے کرلیں وسیلے پیدا کرلیں دنیا میں امن قائم نہیں ہوگا اور اگر کہیں امن ہو بھی گیا تو وہ عارضی ہی ہوگا اور یہ لوگ پھر بدامنی کی راہ پر گامزن ہوجائیں گے اور ایسا اس لئے ہوگا کہ یہ ایک ہاتھ پر جمع نہیں، ان کا کوئی والی نہیں، ان کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں یہ بے یارو مددگار ہیں۔

روئے زمین پر آج اگر ایک جماعت ہے تو وہ صرف اور صرف جماعت احمدیہ ہی ہے جس کے لوگ ایک ہاتھ پر جمع ہیں، ایک آواز پر لبیک کہنے والے ہیں، ایک ہاتھ کے اشارے پر اٹھتے ہیں اور بیٹھتے اور اُس ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں، خدا کی رسی کو خلافت کی صورت تھام رکھا ہے یہی ایک واحد جماعت ہے جو ساری دنیا میں عزت و احترم کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، جس کے لوگوں کو قدم قدم پر خدا کی تائید و نصرت کے نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں، قدم قدم کامیابی و کامرانی ان کا مقدر بنتی چلی جا رہی ہے اور سب سے بڑھ کر لوگ فوج در فوج اس الٰہی سلسلہ کا حصہ بنتے چلے جا رہے۔ اگر اب بھی اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جماعت احمدیہ سے دور رہ کر کوئی شخص، گروہ یا جماعت دنیا میں کامیاب و کامران ہوگی تو وہ سخت غلطی پر ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے کیا خوب فرمایا تھا کہ:

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

اسقدر تباہی و بربادی کے بعد بھی اگر کسی کو یقین نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کی تائید جماعت احمدیہ کے ساتھ ہے تو پھر وہ سب لوگ جن کو اپنی عقلوں پر ناز ہے، اپنی دولت پر بھروسہ ہے، اپنے جاہ وجلال کا غرور ہے ساری دنیاوی طاقتیں جمع کرکے کوشش کرکے دیکھ لے وہ تمام قوتیں، وہ تمام لوگ اپنی کوششوں میں ناکام رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اب ہر کامیابی اور ہر عزت کے غلام صادق کی غلامی میں ہی ہے، اب امن اور عافیت اسی غلامی میں آجائیں کیونکہ

ع ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

ذوالقرنین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''میں نے ہجری، عیسوی اور ہر مروجہ کیلنڈر کے لحاظ سے دوصدیاں پائی ہیں اور اسی مناسبت سے اللہ کی کتاب میں میرا نام ذوالقرنین رکھا گیا ہے۔ اس میں تدبر کرنے والوں کے لئے ایک بہت بڑا نشان ہے''

(علامات المقربین اردو ترجمہ صفحہ: 105)

عظیم درسگاہ

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی حسین یادیں

﴿محترم ملک خالد مسعود صاحب﴾

جب بھی کسی پرانے کلاس فیلو سے ملاقات کا اتفاق ہوتو قلبی مسرت اور دلی خوشی ہوتی ہے۔اپنائیت اور محبت کے جذبات میں ایک تموج ہوتا ہے۔

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ سے ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

میرے ایک نہایت ہی پیارے اور مشفق دیرینہ دوست محترم مبشر احمد کاہلوں صاحب مقیم جرمنی جب بھی وطن مالوف لوٹتے ہیں تو ازراہ نوازش اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود میرے لئے کچھ وقت ضرور نکالتے ہیں۔اور یوں کالج کے ساتھیوں کے تذکرہ سے تشنہ کامی کی سیرابی کا سامان بہم ہوجاتا ہے۔ہمیشہ اس کا انتظار رہتا ہے اور یہ زندگی کے جمود اور یکسانیت میں تحرک کا باعث ہوتی ہے۔گزشتہ دنوں اچانک آنکلے حسب عادت پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔باتوں باتوں میں اولڈ بوائز کی ویب سائٹ کا ذکر ہوا۔اسے دیکھنے کا اشتیاق بڑھا۔میں کہ جدید ٹیکنالوجی سے اجنبی ٹھہرا۔ مطلوب کے لئے اعانت کی احتیاج لازم ٹھہری اپنے ایک بچے کے ذریعہ اس سائٹ تک رسائی پائی۔خوب لطف اندوز ہوا۔لذت و احتظاظ سے سیر کام ہوا۔کچھ تحریریں تھیں کچھ تصویریں۔

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

خودکلامی سے بات آگے بڑھی تصویریں بھی بولنے لگیں تو گویا ایک دفتر کھلا ایسی محفل برپا ہوئی کہ کچھ نہ پوچھئے!

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

لذت وکیف اور لطف وسرور کی کیفیت تادیر دل و دماغ پر مستولی رہی۔اس آئینہ خانے میں محو حیرت رہا ادنیٰ تغیر کے ساتھ یہ مصرعہ خوب صادق آیا ''تصویروں'' سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے

کالج کے زمانہ کی مشغولیات ومصروفیات، ہنگامہ خیزیاں اور خوش خرامیاں، رنگینیاں اور خوش مزاجیاں تبصرے اور مکالمے ایک فلم کی صورت آنکھوں کے سامنے آگئے۔ خوبرو اور دلربا شخصیات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔

میری حالت کا نقشہ غالبؔ کا یہ شعر کھینچتا ہے۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

قدم قدم بدلتے خوشنما مناظر، حسین یادوں کے معطّر و معنبر جھونکے، دلربا آوازوں کی بازگشت، اُلذ اذ و اہتزاز کے عالم میں سرمست میں ایک وادی سے دوسری میں گھومتا رہا تھا۔ فضل عمر ہوسٹل کے درودیوار، نقش و نگار، راہداریوں اور دالانوں میں شاداں و فرحاں پھرتے ٹہلتے خوبرو نوجوانوں کو دیکھ رہا تھا ابتسام وانبساط ان کے چہروں سے چھلک رہا تھا، پیشانیوں پر کامیابیوں اور کامرانیوں کی امید کی چمک، تفنن طبع سے آراستہ و پیراستہ، سجے سجائے، بہت لطف اٹھایا اور بڑا مزا پایا اسی لمحہ مجھے خیال آیا کہ ان ظاہری صُور کے پیچھے ایک خوب تر اور دلآویز ایک اور دنیا بھی آباد ہے۔ عجیب تر تھی یہ دنیا کہ ہم ایک قبیلہ کی صورت میں ہنسی خوشی رہتے تھے۔ یارانے بھی تھے دوستانے بھی۔ باہم دل لگی اور چھیڑ چھاڑ بھی سنجیدگی اور متانت کے اطوار بھی۔ مقصد کو اولیت و فوقیت بھی حاصل تھی اور تفریح و مشاغل بھی۔ معصوم شرارتیں اور لطیف مزاح، برجستہ جملوں کا تبادلہ، چھیڑ خانیاں بھی اور علمی موشگافیاں، ایک ہماہمی اور گہما گہمی، امنگ اور ترنگ کا اُٹڈا ہوا سیلاب تھا۔ ہر طرف زندگی رنگ بکھیرتے نظر آتی۔ ان رنگوں کو مزید شوخ ہونے کا سامان بھی بہم ہوتے کہ فراق و وصال کے لمحات بھی دخیل ہوتے۔ ناہمواریاں اور ناخوشگواریاں اور گریز اور دوریاں بھی در آتیں۔ اور فاصلے بھی جنم لیتے لیکن یہ محض وقتی اور عین عارضی حالتیں ثابت ہوتیں پھر وہی رابطہ و تعلق، وہی بے تکلفی و اپنائیت، وہی قربتیں وہی چاہتیں، وہی شناسائیاں اور ان میں رعنائیاں، سب عود کر آتیں۔ اس لئے کہ ایک گہرا قلبی رشتہ اور مضبوط دلی لگاؤ مستحکم بنیاد تھی۔ جو عارضی کیفیات رفع ہوکر اپنی اصل حالت پر قائم ہوجاتی۔ ایک حسین اور دلکش امتزاج اور توازن تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے اس ماحول کا قیام و دوام کیسے ممکن ہوا؟

گھر جنت مقام ہوتا ہے۔ جہاں محبت و پیار کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ ہمدردی اور اخلاص کی فضا ہوتی ہے۔ وفا اور ایثار کا جذبہ ہوتا ہے۔ مامتا کی محبت اور پدری شفقت سایہ فگن ہوتی ہے۔ ان کی نیک تمنائیں اور گداز دعائیں لازم حال ہوتی ہیں۔ ایک بطن سے تولد پانے والے بہن بھائی خونی رشتہ سے پیوستہ اور الفت و پیار کے بندھنوں میں جڑے ہوتے ہیں۔ ہر رویہ اور برتاؤ دل کی گہرائیوں سے جنم لینے والے جذبات کا عکاس اور نصوح اور خیر خواہی اور اخلاص کا ترجمان ہوتا ہے۔ ایک تقدس اور پاکیزگی غالب نظر آتی ہے۔ یہ عوامل اور محرکات وحدت اور موافقت کے لئے سازگار ماحول میسر کر دیتے ہیں اور گھر گھر قرار پا جاتا ہے اس صورتحال کو سمجھنے میں تو کوئی دقت درپیش نہیں ہوتی۔

لیکن ایک دوسرا منظر نامہ ہے۔ ماحول اور فضا بعینہٖ یہی۔ مگر عناصر و عوامل بالکل مختلف۔ جہاں اجزائے ترکیبی کچھ اور نتیجہ کچھ اور، اور اس مشہود و ظہور کو عقل باور کرنے

میں اشکال پاتی ہے۔تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ تعلیم الاسلام کالج میں جب ہم پڑھتے تھے اس وقت فضل عمر ہوسٹل میں 400 سے زائد طلباء اقامت پذیر تھے۔ یہ طلبہ اپنے گھروں سے مانوس، والدین بہن بھائیوں کی محبتوں سے دلآرام،بچپن کے ساتھیوں اور ہم جولیوں کی رفاقتوں کے رسیا،تعلیم کے حصول کے نیک مقصد کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس درسگاہ میں آجمع ہوئے۔محرومیوں سے سرگراں اور نئے ماحول کی اجنبیت سے اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا۔کچھ دیہاتی ماحول میں پروردہ اور کچھ شہری زندگی کے دلدادہ۔غربت و امارت کے نشیب و فراز،تلخیوں اور آسائشوں کے عادی۔خاندانی روایات وطرز معاشرت کے اختلاف،عادات وطبائع میں تفریق،تربیت کے مختلف مدارج سے گزرنے والے یہ نوجوان جوعنفوان شباب کے پُرخطر مراحل میں داخل تھے۔جوش وجولان،سرکشیدگی کے طغیان، اُداسی اور جدائی کے عنوان لے کر یہ بصورت ہجوم ایک چھت کے نیچے یکجا ہوگئے۔ سابقہ وابستگیوں اور دلچسپیوں کوخیر باد کہہ کرمحرومیوں اور رنجوریوں کے احساسات سے بوجھل کئی طور کے تفاوت وتضادات کی کشاکشوں میں الجھے ہوئے اکٹھے ہونے والے اس گروہ میں باہم انتشار اور خلفشار کا پیدا ہونا تو قرین قیاس لگتا ہے مگر ایک وحدت میں پرویا جانا یک جہتی اور یگانگت کا مظہر بن جانا بادی النظر میں مشکل معلوم ہوتا ہے۔کثرت اختلاف کا تلاطم اور اشتراک کی وجوہ کم۔

لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب ہم ہوسٹل کی زندگی پرنظر کرتے ہیں تو اس کا ماحول گھر سے کم نہ تھا۔اپنی خوبیوں،رعنائیوں،دلچسپیوں اور دلکشیوں کے اعتبار سے بےنظیر تھا۔اور اس کے نقوش آج تک ذہنوں پر مرتسم ہیں۔اور وہ یادیں زندگی کا عزیز ترین سرمایہ لگتی ہیں۔یوں تو ہر تعلیمی ادارے کے ہوسٹل ہوتے ہیں۔رہائش اور آرام اور بہتر معیار زندگی ہوتا ہوگا مگر ان کے مکینوں میں مواخات، مواسات،محبت ومودّت اور الفت وپیار اور ربط وارتباط کی جوکیفیات یہاں موجود تھیں وہ غالباً کسی اور جگہ پر نہ پائی جاتی ہوں۔ان متفرق اوراق کی اس سلیقہ اور احتیاط سے شیرازہ بندی کی گئی کہ یہ بظاہر سرائے ایک مکان امن ومحبت میں مبدل تھا۔اس اقامت گاہ کو ایک خوبصورت گھر کی شکل دینے میں نجانے کتنی سوچ وبچار،منصوبہ بندی اورمحنت اور عرقریزی کی گئی ہوگی۔مگر جو ہم نے دیکھا اور پایا وہ ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ایسی اعلیٰ اقدار اور روایات پر یہ قائم ادارہ جو بےمثل تھا۔ہمارے نہایت ہی بزرگ اور ملک کے معروف Educationist حضرت قاضی محمد اسلم صاحب نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ CSS کے انٹرویوز میں (جس بورڈ کے وہ مستقل ممبر تھے)بعض اوقات کوئی امیدوار ہال میں داخل ہوتا تو ممبران بورڈ میں سے کوئی بے اختیار کہہ اٹھتا کہ ٹی آئی کالج کا لڑکا ہے۔ دوران انٹرویو اس بات کی توثیق ہو جاتی۔ یہ رنگ اور یہ انداز شخصیت سازی اور اعلیٰ روایت کا کرشمہ تھا۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ عطار بگوید

ایسا کیوں تھا؟ ہمارے اساتذہ کی توجہ اور دلسوزی تھی انہوں نے شفقت پدری کے تقاضے خوب نبھائے۔ معلم کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کو بأحسن پورا کیا۔ ہر رنگ میں اور ہر حال میں نگاہ التفات رکھی ہر آن اور ہر گام رہنمائی کا حق ادا کیا۔ ہمیں ظاہری نشست و برخاست کے آداب سکھائے۔ ظاہر صفائی اور باطنی پاکیزگی کے طور طریقے سکھلائے۔ جینے کا قرینہ سمجھایا شائستگی، وقار اور متانت کے سلیقے بتائے۔ ہماری تربیت کے ہر گوشہ پر توجہ رکھی کوتاہیوں، فروگزاشتوں اور لغزشوں پر متنبہ کیا اچھے اور بُرے کی تمیز سے روشناس کروایا۔ سیات کی جگہ حسنات اختیار کرنے کے ڈھنگ بتلائے اور مواقع میسر کئے۔ اخلاق حسنہ کی تحریص اور ترغیب دلائی۔ تحصیل علم کہ جس مقصد کے لئے ہم آئے تھے اس کی تحریض اور تحریک کا عمل جاری رکھا۔ راتوں کو جاگ کر سٹڈی آورز کے نگران رہے۔ امتحانوں کی پراگریس پر نگاہ رکھی۔ بوقت ضرورت تادیب کی اور حسب ضرورت حوصلہ افزائی۔ ہماری مشغولیات و مصروفیات، رجحانات و میلانات پر خاموش مگر کڑی نگرانی رکھی۔ دینی تربیت پر تو بطور خاص توجہ دی۔ نماز باجماعت کی پابندی کروائی۔ صبح اور عشاء کی نماز پر تو فرداً فرداً حاضری لی جاتی۔ اور عدم حاضری کی صورت میں پرسش ہوتی۔ اور ہر ماہ ہمارے والدین کو جو رپورٹ بھجوائی جاتی اس میں نماز کی حاضری کا مذکور ہوتا۔ دعاؤں کے یاد کروانے کا اہتمام، بہشتی مقبرہ حاضر ہو کر دعاؤں کی تحریک، حضور کی خدمت میں دعائیہ خطوط عرض کرنے کی تاکید، صحبت صالحین کے لئے بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی تعلیم، دینی معلومات میں اضافہ کے لئے امتحانات کا انعقاد۔ غرضیکہ بے شمار پہلو تھے۔ ہمہ جہتی اصلاح اور ترقی پیش نظر تھی، جن کو نہایت خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ پروگراموں کا حصہ بنایا گیا تھا۔

عملی میدان میں مقابلہ اور مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے کئی پروگرام تھے۔ قائدانہ صلاحیتیں بیدار کرنے کے لئے کئی سوسائیٹز قائم تھیں جن کے ہر سال انتخابات ہوتے اور عہدیدار چنے جاتے۔ رائے کی اہمیت اور فضیلت کا بیان کر کے ووٹ دینے کی تاکید کی جاتی عہدیداران بڑی ذمہ داری سے سال بھر محنت کر کے اپنی اپنی تنظیم کو فعال اور متحرک رکھتے۔ اور طلبہ بڑے شوق اور ذوق اور دلچسپی سے ان میں شریک ہوتے۔ دنیا کے مسائل اور حالات و واقعات اور دینی موضوعات پر نامور شخصیات اور معروف علماء کی تقاریر اور خطابات کے انتظام کے لئے لٹریری سوسائٹی تھی۔ انڈور گیمز کے لئے کامن روم تھا۔ اس کو چلانے کے لئے کامن روم سوسائٹی تھی جو تمام متعلقہ امور کی نگرانی اور سامان کی فراہمی اور نظم وضبط اور کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کی پابندی کرواتی۔ اسی طرح میس کمیٹی تھی جو میس کے تمام لوازم کا خیال رکھتی وغیرہ وغیرہ۔ کئی اس طرح کے اہتمامات تھے جن کو طلبہ خود آرگنائز کرتے۔

پریفیکٹ کا نظام تھا۔ جو ڈسپلن، عمومی حاضری،

نمازوں کی حاضری، اوقات مطالعہ کی نگرانی، ہوسٹل سے باہر جانے کا اجازت نامہ جاری کرنا محترم وارڈن صاحب کی جملہ ہدایات کی تنفیذ ان کے سپرد ہوتا۔ اس امر کا بطور خاص خیال رکھا جاتا کہ پریفیکٹ کی پوری اطاعت کی جائے اس طرح امیر کی اطاعت اور نظم وضبط کی عادت ذہنوں میں نقش کی جاتی۔

بیان کے ہر دو پیرائے یعنی تحریر اور تقریر کے ملکہ کو ابھارنے اور نکھارنے اور سنوارنے کے لئے فورم تھی تا اظہار پر قدرت حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو دیگر مخلوق پر جو شرف اور فضیلت بخشی ہے اس کی نشوونما ہو۔ مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو متعارف کروانے اور شوق بیدار کرنے کے لئے دوران سال کئی شعبوں کے مقابلہ جات منعقد ہوتے جن میں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو انعام کا مستحق قرار دیا جاتا۔ اور سالانہ فنکشن کے موقع پر یہ انعامات تقسیم ہوتے جو ایک بہت بڑا اعزاز ہوتا۔

سالانہ فنکشن بھی ایک بڑی زبردست تقریب ہوتی تھی۔ اسکی دلچسپی اور عظمت کا یہ حال تھا اس میں شرکت کے اجازت نامہ کے حصول کے لئے شہر کے چیدہ چیدہ لوگ سرگرم وکوشاں ہوتے اور سفارشیں کروائی جاتیں۔ اس کی بھرپور تیاری ہوتی جو پروگرام بنتے ان کی بار بار ریہرسل ہوتی مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی جاتی تا ان کی جدت اور Surprise قائم رہے۔ جب فنکشن منعقد ہوتا تو اس رات کو فری نائٹ قرار دیا جاتا۔ اور ہر ایک کو اظہار کی کھلی آزادی ہوتی مگر حدود وقیود کے اندر اور اخلاقیات کے تقاضوں کے عین مطابق۔ طنز ومزاح، تعریف وستائش اور تنقید کے اظہار کے انوکھے اور تیکھے انداز اختیار کئے جاتے۔ ان پروگراموں میں طلبہ میں جہاں اختراعی صلاحیت بیدار ہوتی وہاں مافی الضمیر اور مدعا کے ابلاغ کی استعداد بھی پیدا ہوتی۔ غرضیکہ قدرت سے ودیعت شدہ استعدادوں اور صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اجاگر کرنے کی ایک تدبیر ہوتی۔ ان پروگراموں کی بازگشت سال بھر اور پورے ربوہ میں سنی جاتی اور اس کی تکرار میں لذت یابی کا سامان ہوتا۔ ہر کردار کی تعریف ہوتی اور ہر انداز کو سراہا جاتا۔

مجلس خدام الاحمدیہ کی زعامت دینی اور جماعتی پروگراموں کو بڑے شوق اور انہماک اور توجہ سے جاری رکھتی۔ اور ہماری مجلس ہنگامی ڈیوٹیوں میں قابل تعریف قرار پاتی اور اس کے پروگراموں میں ایک باقاعدگی اور ذوق وشوق تھا جو تسلسل سے جاری وساری رہتا۔

رفاقتوں اور رقابتوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ یہ آنکھ مچولی بھی جاری رہتی۔ مگر کبھی حد اعتدال سے متجاوز نہ ہوتی۔ کبھی مخاصمت تک نوبت نہ آتی۔ نوک جھونک ہوتی۔ بھول جاتی۔ ایسا کیوں تھا اس لئے کہ ہمارے اساتذہ کی ہر ایک پر نظر ہوتی اور وہ تراش خراش کا عمل جاری رکھتے اور قد کو بڑھانے اور خوشنمائی کے لئے اسے ضروری سمجھتے تھے اور ہر بڑھتی شاخ کی بریدگی اور سرکشیدگی کو موزوں اور

معتدل بنا دیتے۔

جب اسقدر اہتمامات اور انتظامات اور سہولیات اور رہنمائیاں اور نگرانیاں موجود تھیں اور موثر تھیں تو اس انتظام میں سلیقہ اور سنوار اور حسن اور خوبصورتی کیوں نہ آتی۔ ہر ایک پر انفرادی توجہ اور دیکھ بھال کا یہ حال تھا کہ بیماری و علالت ایسا وقت ہوتا ہے کہ مریض توجہ چاہتا ہے اور گھر والے یاد آتے ہیں۔ کوئی طالب علم بیمار پڑ جاتا تو اسے سِک روم میں منتقل کر دیا جاتا جہاں آسائش و آرام ہوتا۔ ادویہ اور ڈاکٹری معائنہ کا التزام ہوتا پرہیزی کھانا جاری ہو جاتا۔ اگر تیماردار کی ضرورت ہوتی تو مہیا کیا جاتا۔ اساتذہ باقاعدگی سے عیادت کے لئے تشریف لاتے اور ہمدردی کے اس موقع پر کیا کیا دلداری اور دلجوئی کا سامان نہ ہوتا۔

ایک اور حسین زاویہ اس منظر کا یہ تھا کہ ہم کسی ایک علاقے سے متعلق نہ تھے کہ معاشرت اور تمدن کا کوئی ملتا جلتا انداز رکھتے تھے۔ بلکہ ملک کے طول وعرض سے آئے ہوئے کوئی سندھی، کوئی پنجابی، پختون اور بلوچی ہر علاقہ کی اپنی ریت و روایت اپنے اپنے رسم و رواج، عادات و روایات۔ پسند و ناپسند الگ الگ، مگر یہاں آکر ایک کلچر میں سب مدغم ہو گئے۔

مذہب زندگی پر غالب اور مضبوط اثر رکھتا ہے طلبہ کئی فرقوں اور مسلکوں کے کاربند تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک سال ایسا بھی آیا تھا کہ احمدی، غیر از جماعت طلبہ کے مقابلہ میں کم تھے۔ ہوسٹل کی زندگی اس اعتبار سے مثالی تھی۔ تحمل اور رواداری، مذہبی آزادی۔ ہر طالب علم اپنے مسلک اور عقیدہ کے مطابق مذہبی رسومات اور عبادات بجالاتا، نماز کی پابندی ہر ایک پر لازم تھی۔ الگ الگ نمازیں باجماعت ادا ہوتیں۔ کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ تو درکنار کوئی منفی تاثر تک دیکھنے میں نہ آیا۔ کوئی کشیدگی یا آویزش پیدا نہ ہوتی۔ باہم شیر وشکر اکٹھے رہتے۔ غرضیکہ جو ضرورت درپیش آتی اس کے پورا کرنے کا سامان میسر ہوتا۔ اور دوسری طرف جو ذمہ داری کا تقاضہ قائم ہوتا اس کی کماحقہ پابندی طلبہ سے کروائی جاتی۔

یہ حسن انتظام وانصرام باہم ادب و احترام، پابندیوں اور آزادیوں کا خوبصورت توازن۔ اس باغ میں ہر صنوبر آزاد بھی تھا اور بانکل بھی۔ اس جگہ پر ہر دل آرام پاتا اور ہر جسم راحت محسوس کرتا اور ہر ذہن سکینت یاب ہوتا۔ ہر ایک دوسرے کا دست وبازو بن جاتا۔ ہر ایک دوسرے کا دوست ہوتا۔ محبتیں جلوہ افروز ہوتیں اور نفرتیں اور کدورتیں غائب ہوتیں۔ چنانچہ یہ منظر نامہ تھا:۔

فلیتنافس المتنا فسون۔

یہ ہمارے اساتذہ کرام کی ذاتی توجہ نہایت درجہ شفقت اور مہربانی کا ثمرہ تھا۔ ایک خاندان تھا جس کے سینکڑوں افراد کنبہ تھے۔ اساتذہ کی دن رات کی محنت نے ہوسٹل کو درحقیقت گھر بنا دیا تھا۔ اس کا سہرا ہمارے قابل صد افتخار واجب الاحترام استاذی المکرم چوہدری محمد علی صاحب دام فیوضہ، کے سر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت وتندرستی سے بھرپور، لمبی اور فعال عمر سے نوازے۔ آمین۔

یادوں کے دھارے میں بہتا میں بہت دور نکل آیا

حکایت لذیذ بود دراز تر گفتم

ایک تخیلاتی کیفیت اور اس کے بیان میں اختصار اور عدم مقدرتِ اظہار کی وجہ سے منظر کے سب رنگ ہی پھیکے پڑ گئے ہوں گے۔ اس کے لئے معذرت خواہ ہوں یادوں کے تار کو ایک ضرب اور جنبش کی سعی ناتمام ہی ہے شاید اس ارتعاش سے ساز و آواز کا کوئی سلسلہ چل نکلے۔

پرانی تصاویر دیکھیں تو کئی پیارے وجود نظر آئے جو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکے۔ خدا تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ اکثر ہیں جن کے احوال کی خبر ہی نہیں۔ ان بچھڑنے والوں کی یادوں کو آزردہ اور غمگین بنا دیتی ہے۔

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

غالبؔ نے کیا خوب کہا!

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم

تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

تابناک اعلیٰ روایت کا حامل یہ تعلیمی ادارہ ظالموں اور چیرہ دستوں نے ہم سے چھین لیا۔ وہ ادارہ جس کے فارغ التحصیل اس سے اپنی نسبت قائم کر کے فخر اور تفوق اور بڑائی محسوس کرتے تھے، سر بلند ہو کر عملی میدان میں مسابقت و مہارت کے جوہر دکھاتے تھے۔ اب ادھر کو کوئی رخ کرنے کو ہی تیار و آمادہ نہیں۔ ربع صدی سے زائد کے عرصہ کے دوران ہی یہ تنزل کا شکار ہو کر اس حال کو پہنچ گیا ہے کہ تعلیم و تعلّم کا سلسلہ گویا کہ کالعدم ہو چکا ہے۔ مایہ ناز اور سرمایہ افتخار اساتذہ جو گدڑیوں میں لعل تھے ناپید ہوئے اور ان کی جگہ تنخواہ دار چند ملازمین نظر آتے ہیں۔ جن کو نہ تدریس کا شوق اور جنون اور پڑھنے والوں کو حصول علم سے غرض نہیں۔ حکومتی بے رعنائیوں اور محکمانہ لاپرواہیوں نے جلتی پر تیل کا کام دکھایا۔ بربادی اور تباہی چاروں طرف سے محیط ہو چکی ہے۔ چند سال ہوئے بلڈنگ کے محکمہ نے اسے ناقابل استعمال قرار دے کر خالی کرنے کا حکم صادر کر دیا ہوا ہے۔ یہ سرسبز و شاداب باغ ویرانہ میں بدل چکا ہے اور خوشنما اور خوبصورت روئیدگیوں کی جگہ جھاڑیاں اور سرکنڈے نظر آتے ہیں۔ حیف صد حیف کہ رونقوں سے معمور، زندگی سے بھرپور، زندہ اور زندگی بخش۔ علم و آگہی کا یہ گہوارہ معروف دانشکدہ اس حال میں ہے کہ اتفاق سے ادھر کا گزر ہو تو بے اختیار رخ دوسرے طرف پھر جاتا ہے کہ یہ منظر دیکھا نہ جائے ہے۔ سناٹا ہے، خامشی ہے، ہر نقش فریادی، ہر صورت کاغذی پیراہن پہنے مجسم سوال نظر آتی ہے۔

لئے پھرتے ہو سوالوں کی صلیبیں طارق

کر گئے کوچ سبھی لوگ خوابوں جیسے

اس خستہ سامانی اور بد حالی کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دل سے ٹیس اٹھتی ہے!

کچھ بوئے نفس آتی ہے دیواروں سے

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اس زیاں کا کوئی چارہ نہیں اور اس غم کے بیان کا یارا نہیں!

تھی داستاں دراز بھی اور دلگداز بھی
لیکن کہاں ہے دل کہ دیا جائے اس کو طول

مجھے یقین ہے کہ اس تعلیمی ادارے کی بنیا درکھنے والے اللہ کے بندے اور اس کے محبوب حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ کو لاج ہے جس نے اس ادارے کو تعلیم الاسلام کا نام دیا اور جو مقاصد اور مطمح نظر مقرر فرمایا وہ اسی نام سے احیائے نو پائے گا جس طرح پہلے یہ ادارہ علم و دانش اور معرفت و آگہی کا گہوارہ ثابت ہوا تھا اور آسمان علم کا روشن ستارہ بن کر ابھرا تھا۔ پھر آب و تاب اور چمک دمک دکھلائے گا۔ روشنی کا مینار اور علم و عمل جو اس کا ماٹو ہے کا شاندار مظہر ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔

غالباً 1996ء کی بات ہے کہ حکومت نے قومیائے جانے والے تعلیمی اداروں کو اُن کے ٹرسٹیز کو واپس کرنے کا اعلان کیا تھا اور چند شرائط اور خطیر رقم جمع کروانے سے مشروط کیا۔ جماعت نے فوراً کیس تیار کر کے اور مقررہ رقم جمع کروا کر تمام شرائط پوری کر دی تھیں۔ تب سے یہ کیس ارباب بست وکشاد کے فیصلہ کا منتظر ہے۔ اس دوران حکومتیں آئیں اور گئیں۔ بے شمار رابطے ہوئے مگر کسی کو ہمت وتوفیق نہیں ہوئی۔ ہم تو قادر و مقتدر اور عزیز وقدیر رب کے فضل کے منتظر ہیں۔ تقدیر تدبیر کا تقاضا بھی کرتی ہے۔ دعا کے ساتھ مقدور بھر کوشش بھی شرط ہے۔ اگر اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بھی اس تدبیر اور کوشش میں کسی طور سے شریک کار ہو تو اس کی خوش نصیبی ہوگی۔

تنبیہ بحق ظالم

﴿مکرم عبدالسلام اسلام صاحب﴾

ہماری ماؤں بہنوں کے اُجاڑ کر سُہاگ تُو
مُسرّتوں کے تال پر نہ گا خوشی کے راگ تُو
نگاہ ''ذُوانتقام'' ہے ہمیشہ تیری تاک میں
گرفتِ حق سے جائے گا بھلا کدھر کو بھاگ تُو!
کبھی نہ بچ سکے گا تُو خدا کے انتقام سے
نکل کے جائے گا کہاں تُو بَغتَۃً کے دام سے!
سنبھل سنبھل خدا سے ڈر گرفتِ کبریا سے ڈر
سُہاگ جن کا لٹ گیا تو ان کی بد دُعا سے ڈر
یہ نالۂ یتیم کیا یہ تیر بے خطا بھی ہے
تُو نالۂ رَسا سے ڈر تُو آہِ بے نوا سے ڈر
حساب نقد ہی سدا خدا کے گھر کی ریت ہے
کہ جابروں کے سامنے ہی صابروں کی جیت ہے
اگر ہے اشک آنکھ میں تو لب پہ پھر دعا بھی ہے
ہماری آہ دیکھ تو یہ تیر بے خطا بھی ہے
جو پُر ہے سوز و درد سے وہ نالہ دل سے ہے اُٹھا
ہے عرش جس سے کانپتا یہ ایسی التجا بھی ہے
خدا کے قہری ہاتھ کا جو بن گیا نشانہ تُو!
نہ پا سکے پھر کہیں پناہ کا ٹھکانہ تُو!

سربستہ کارروائی قومی اسمبلی 1974ء اور ہم

﴿مکرم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب﴾

حال ہی میں محمد متین خالد صاحب کا ایک مضمون رسالہ ضیاء حدیث، اہل حدیث، ایشیا، ختم نبوۃ، الفاروق اور بعض دیگر رسائل میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے "قادیانیوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہو گیا مگر وہ پریشان ہو گئے.....آخر کیوں؟"۔ جیسا کہ اس مضمون کا عنوان ظاہر کرتا ہے اور اس کے پہلے صفحہ پر یہ بات وضاحت سے درج کی گئی ہے کہ 1974ء سے لے کر اب تک یہ مطالبہ احمدیوں کی طرف سے مسلسل کیا جاتا رہا ہے کہ 1974 میں دوسری ترمیم کے وقت پاکستان کی قومی اسمبلی میں جو خفیہ (In Camera) کارروائی کی گئی تھی اور جس میں وہ حصہ بھی شامل ہے جس میں جماعت احمدیہ کے وفد جس کی سربراہی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کر رہے تھے سے سوالات کئے گئے تھے، اسے اب منظر عام پر آنا چاہئے۔ واضح رہے کہ اس کارروائی کو قومی اسمبلی نے قاعدہ بنا کر خفیہ رکھا تھا اور اس کے مندرجات نہ منظر عام پر لائے گئے تھے اور نہ ان کو شائع کیا گیا تھا۔ یہ امر دلچسپ ہے کہ اس مضمون کے مطابق بھی یہ دیرینہ مطالبہ ہمیشہ احمدیوں کی طرف سے کیا گیا ہے اور مخالفین جماعت نے جن میں سے بہت سے اس وقت بحیثیت ممبر قومی اسمبلی کے ممبر بھی تھے ایک بہت طویل عرصہ گزرنے کے باوجود یہ مطالبہ نہیں کیا کہ اس کارروائی کو شائع کیا جائے۔ بلکہ وہ اس قاعدہ بنانے میں برابر کے شریک تھے کہ یہ کارروائی خفیہ رکھی جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ اندر کیا بیتی تھی۔

اب یہ بڑی دلچسپ صورت حال ہے کہ اس کارروائی میں دو فریق تھے۔ دونوں کو دعویٰ ہے کہ ان کے دلائل زیادہ وزنی تھے۔ ایک گروہ مسلسل کہہ رہا ہے کہ اس کارروائی کو منظر عام پر آنا چاہئے اور دوسرا گروہ اس امر کا نام بھی نہیں لیتا بلکہ 1974 میں اس قاعدہ کو بنانے میں شریک تھا کہ اس کارروائی کو خفیہ رکھنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ عقل تو یہی تجویز کرتی ہے کہ جو گروہ یہ کہہ رہا ہے اس کو منظر عام پر لایا جائے وہ اس بارے میں پُر اعتماد ہے کہ ان کے دلائل جاندار اور وزنی تھے اور جس گروہ کی طرف سے برعکس رویہ دکھایا جا رہا ہے اسے اپنی کارکردگی پر خود بھی اعتماد نہیں ہے۔ جب یہ کارروائی منظر عام پر آئے گی تو اس کے بعد تو ہر شخص اور ہر گروہ اپنی اپنی سوچ کے مطابق اس کے بارے میں رائے قائم کرے گا یا دلائل دے گا لیکن جو منظر اس وقت سامنے ہے اور جس کا اقرار مضمون نگار صاحب نے بھی کیا ہے اس سے تو عقل یہی نتیجہ نکال سکتی ہے۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ایک طرف متین خالد صاحب لکھ رہے ہیں کہ جلد یہ کارروائی شائع ہو کر منظر

عام پر آنے والی ہے اور پھر یہ خلافِ واقعہ دعویٰ پیش کر رہے ہیں کہ اس خبر سے قادیانیوں میں صفِ ماتم بچھ گئی ہے۔خیر یہ صفِ ماتم متین خالد صاحب کو اپنے گردونواح میں بچھی ہوئی نظر آئی ہوگی ورنہ وہ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ احمدیوں کی طرف سے تو ہمیشہ یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس کارروائی کو منظرِ عام پر لانا چاہئے۔اب جب کہ یہ کارروائی شائع ہو رہی ہے تو متین خالد صاحب کو کس گھبراہٹ نے مجبور کیا کہ عجلت میں یہ مضمون لکھ کر اپنی خالی اور فرضی فتح کا اعلان کریں۔اور اس بدحواسی میں ان سے کئی ایسی لغزشیں سرزد ہوگئی ہیں جو ان کی بیچارگی کو عیاں کر رہی ہیں۔مثلاً وہ اسمبلی میں اس کارروائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ’’نہ صرف تمام ارکان نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا بلکہ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر کی ٹیم میں شامل ایک معروف قادیانی مرزا سلیم اختر چند ہفتوں بعد قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوگیا،حالانکہ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر مکمل تیاری سے بڑی خوشی سے قومی اسمبلی گیا۔‘‘

پڑھنے والے واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں متین خالد صاحب اس غلط بیانی کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کہ جماعت احمدیہ کا جو وفد قومی اسمبلی میں بطور گواہ گیا تھا، اس کے ایک ممبر سلیم اختر تھے جو کہ فریق ثانی کے دلائل قاطعہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے احمدیت کو ہی چھوڑ دیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس وفد میں اس نام کا کوئی ممبر موجود ہی نہیں تھا۔یہ حقیقت معروف ہے اور جب یہ کارروائی سب کے سامنے آئے گی تو سب اس میں بھی پڑھ لیں گے کہ اس وفد کی قیادت حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرما رہے تھے اور دیگر اراکین کے نام یہ تھے۔

1۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
2۔ حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر
3۔ محترم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری
4۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب

قابلِ غور بات ہے کہ وہ کیا پریشانی ہے جو مضمون نگار کو اس قسم کی غلط بیانیوں پر آمادہ کر رہی ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اب ان کو یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ یہ کارروائی منظرِ عام پر آ گئی تو پھر کیا بنے گا۔سب حقائق سامنے آجائیں گے۔اور یہ تمہید اس لئے باندھی جارہی ہے کہ وہ فتح کے جتنے اعلانات کرنا چاہتے ہیں اس کے منظرِ عام پر آنے سے قبل ہی کرلیں تاکہ بجائے اس کے کہ لوگ اس کارروائی کو پڑھ کر حقائق جانیں، وہ محض ان مضامین کو پڑھ کر وہی سمجھتے رہیں جو کہ متین خالد صاحب انہیں باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔اس کے بعد وہ ایسی بات لکھ گئے ہیں کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس موضوع کے بارے میں وہ لکھ رہے ہیں اس کے بارے میں بنیادی علم تک نہیں رکھتے ۔ وہ ہر قیمت پر احمدیوں کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔اور کوشش یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے اصل کارروائی کے مندرجات کی طرف رخ نہ کرنا پڑے۔اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی طرف سے ایک عجیب دلیل پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

’’قادیانی قیادت نے قومی اسمبلی کے تمام اراکین میں 180 صفحات پر مشتمل کتاب محضر نامہ تقسیم کی جس میں اپنے عقائد کی بھرپور ترجمانی کی۔اس کتاب کے آخری صفحہ

پر 'دعا' کے عنوان سے لکھا ہے "دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے معزز ارکان اسمبلی کو ایسا نور فراست عطا فرمائے کہ وہ حق وصداقت پر مبنی ان فیصلوں تک پہنچ جائیں جو قرآن وسنت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوں۔" سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قادیانیوں کی دعا قبول ہوئی تو وہ قومی اسمبلی کا یہ فیصلہ قبول کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر دعا قبول نہیں ہوئی تو وہ جھوٹے ہیں۔"

اس حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ متین خالد صاحب کا خیال ہے کہ جو بھی دعا کی جائے اللہ تعالیٰ کے لئے نعوذ باللہ ضروری ہے کہ اسے من وعن قبول کرے اور اگر دعا بظاہر قبول نہ ہو تو یہ دعا کرنے والے کے جھوٹا ہونے کی نشانی ہے۔ موصوف نے یہ نظریات نہ جانے کہاں سے اخذ کئے ہیں؟ قرآن کریم میں جو دعا کی فلاسفی بیان کی گئی وہ ان نظریات کی تائید بہر حال نہیں کرتی۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ایک امر کے لئے دعا کی جارہی ہوتی ہے لیکن انسان کا علم محدود ہے وہ نہیں جانتا کہ اس کا قبول ہونا اس کے لئے اچھا نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ جو عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے کہ کیا چیز بہتر ہے اور کیا نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس دعا کو اس رنگ میں منظور نہیں فرماتا بلکہ کسی اور رنگ میں اپنے بندے پر فضل کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایسا بھی ہوتا ہے کہ مانگنے والا بڑے اخلاص سے کسی شخص یا گروہ کے لئے ایک دعا مانگ رہا ہوتا ہے لیکن جس کے لئے دعا مانگی جارہی ہو اس کا باطن اور اس کے اعمال اس قابل نہیں ہوتے کہ اس کے حق میں وہ دعا قبول ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھید جانتا ہے اس کے حق میں وہ دعا قبول نہیں کرتا لیکن دعا مانگنے والے کو جس رنگ میں وہ چاہے اپنے کرم سے نوازتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے پاک کلام سے اس بارے میں کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ سورۃ مریم میں اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے والد نے کہا کہ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:۔ اس نے کہا کہ تجھ پر سلام۔ میں ضرور اپنے رب سے تیرے لئے مغفرت طلب کروں گا۔ یقیناً وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ (مریم:18)

لیکن کیا یہ مغفرت کی دعا اسی رنگ میں قبول ہو گئی۔ قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ جیسا کہ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اور ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لئے محض اس وعدے کی وجہ سے تھا جو اس نے اس سے کیا تھا۔ پس جب اس پر یہ بات خوب روشن ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گیا۔ یقیناً ابراہیم بہت نرم دل (اور) بردبار تھا۔" (توبہ:114)

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرستادوں نے حضرت ابراہیم کو یہ اطلاع دی کہ قوم لوط پر عذاب اب مقدر ہو چکا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی معافی کے لئے درخواست گزار ہوئے۔ لیکن کیا یہ درخواست اسی رنگ میں قبول ہوئی۔ قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

"اے ابراہیم اس (بات) سے کنارہ کر لے۔ یقیناً تیرے رب کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے اور یقیناً ان پر ایک نہ ٹالے جانے والا عذاب آئے گا"۔ (ہود:77)

یہ دعا کرنے والا وجود اللہ تعالیٰ کا ایک پیارا پیغمبر

تھا۔ بڑے اخلاص سے دعا کی گئی تھی۔لیکن جن کے حق میں دعا کی گئی تھی ان کے اعمال اس قابل نہیں تھے کہ وہ اس دعا کے ثمرات سے فائدہ اُٹھانے کے اہل ہوتے۔

سب سے زیادہ یہ کہ نسل انسانیت کے شروع سے لے کر آخر تک سب سے زیادہ دعائیں آنحضرت ﷺ کی قبول ہوتی تھیں۔ان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتا ہے۔

''تو ان کے لئے مغفرت طلب کر یا ان کے لئے مغفرت نہ طلب کر۔اگر تو ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت مانگے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ بدکردار لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (توبہ:80)

یہ آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے کہ اگر منافقت اور فسق ایک حد سے زیادہ گزر جائے اور اس گروہ یا شخص کے نصیب میں ہدایت نہ ہو تو اگر ایسے شخص یا گروہ کے بارے میں بہت دردِدل سے دعائیں مانگی جائیں تو وہ قبول نہیں ہوتیں۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات جس مقصد کے لئے دعا کی جاتی ہے وہ تو بظاہر پورا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس رنگ میں فضل کرتا ہے کہ دعا کرنے والے کی کوئی برائی دور کر دیتا ہے۔جیسا کہ یہ حدیث میں مذکور ہے۔

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ کوئی ایسا نہیں کہ اللہ سے کوئی چیز مانگے مگر اللہ یا اسے وہی چیز دیتا ہے یا اس کی اس کے برابر کوئی برائی دور کر دیتا ہے۔جب تک کہ گناہ یا ناتا کاٹنے کی دعا نہ کی جائے۔''

(جامع ترمذی۔ابواب الدعوات۔باب ما جاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ)

جب مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں متین خالد صاحب کے استدلال کو دیکھتے ہیں تو ان پر حیرت تو ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ان جرائد پر بھی حیرت ہوتی ہے جو یہ رطب و یابس شائع کر رہے ہیں۔اب تک یہ مضمون اہل حدیث، ضیاءِ اہل حدیث، الفاروق، ختم نبوت اور ایشیا میں شائع ہو چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کو شائع کرنے سے قبل کسی نے اس کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

دلائل کی کمی ہمیشہ تشدد پر اکسانے کا باعث بنتی ہے۔اس مضمون میں بھی دلائل کی کمی کا مرض اسی نتیجہ پر منتج ہوا ہے۔اور اس مضمون میں بھی کسی بختیار صاحب کے ایک انٹرویو کے حوالے سے یہ لکھا گیا ہے کہ اگر یہ کارروائی منظر عام پر آ گئی تو لوگ احمدیوں کو ماریں گے۔اور پھر اس مضمون کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ چونکہ سب مسلمان رسول کریم ﷺ سے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔اس لئے وہ بانی سلسلہ احمدیہ کے لکھے ہوئے دل آزار مواد پر اپنے آپ پر قابو نہیں کر سکیں گے۔یہ تو درست ہے کہ سب مسلمانوں کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے محبت ہونی چاہئے لیکن یہ بات ناقابل فہم ہے کہ متین خالد صاحب کس دل آزار مواد کا ذکر کر رہے ہیں۔مناسب ہوگا کہ اس مرحلہ پر وہ ان تحریروں کے کچھ نمونے درج کر دیئے جائیں جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں لکھے تھے۔اور یہ حوالے قومی اسمبلی کی سپیشل کمیٹی کے روبرو بھی پڑھے گئے تھے۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تحریر

فرماتے ہیں:۔

''سورۃ آل عمران جزو تیسری میں مفصل یہ بیان ہے کہ تمام نبیوں سے عہد و اقرار لیا گیا کہ تم پر واجب و لازم ہے کہ عظمت و جلالیت شان ختم الرسل پر جو محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں ایمان لاؤ اور ان کی اس عظمت اور جلالیت کی اشاعت کرنے میں بدل و جان مدد کرو اسی وجہ سے حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر تا حضرت مسیح کلمۃ اللہ جس قدر نبی و رسول گزرے ہیں وہ سب کے سب عظمت و جلالیت آنحضرت ﷺ کا اقرار کرتے آئے ہیں۔''

(سرمہ چشم آریہ حاشیہ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 270,280)

پھر آپ براہین احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایک کامل انسان اور سید الرسل کہ جس سا کوئی پیدا نہ ہوا اور نہ ہوگا، دنیا کی ہدایت کے لئے آیا اور دنیا کے لئے اس روشن کتاب کو لایا جس کی نظیر کسی آنکھ نے نہیں دیکھی۔'' (براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 419)

پھر آپ تحریر فرماتے ہیں:

'وہ انسان جس نے اپنی ذات سے، اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پر زور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا......وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسان کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا۔ **وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔''**

(اتمام الحجۃ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 308)

پھر آپ تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''دنیا میں معصوم کامل صرف محمد مصطفیٰ ﷺ ظاہر ہوا ہے''

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 324)

اب ذرا ملاحظہ کریں۔ آنحضرت ﷺ کی بلند و بالا شان کے بارے میں یہ حوالے تھے جو کہ محضر نامہ میں بھی شامل تھے اور اس کارروائی کے آغاز میں بھی پڑھے گئے تھے۔ کس انداز سے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کا بلند مقام بیان کیا گیا ہے۔ ہم سمجھ نہیں سکے کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں ان تحریرات کو پڑھ کر متین خالد صاحب کیوں مشتعل ہو گئے ہیں اور ان کا یہ خیال کیوں ہے کہ سب مسلمان ان کو پڑھ کر مشتعل ہو جائیں گے۔ جماعت احمدیہ تو وہ گروہ ہے جس نے ہر ظلم اور ہر زیادتی کے بعد دنیا بھر میں یہ آواز بلند کی ہے

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یعنی خدا کے عشق کے بعد ہم محمد ﷺ کے عشق میں مخمور ہیں۔ اگر یہ کفر ہے تو بخدا ہم سخت کافر ہیں۔

اس کے بعد اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے متین خالد صاحب صریحاً غلط بیانی کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احمدیوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اس فیصلہ کو قبول کرتے۔ وہ لکھتے ہیں کہ احمدی قومی اسمبلی میں گئے ہی اس لئے تھے کہ قومی اسمبلی جو بھی فیصلہ کرے گی ہمیں قبول ہوگا۔ یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔ جماعت احمدیہ کا جو

تحریری موقف جو محضرنامہ کی صورت میں پیش کیا گیا تھا اور جو موقف وہاں پر سوال و جواب کے دوران پیش کیا گیا تھا وہ بالکل اس سے الٹ تھا۔ اور جماعت کا محضر نامہ تو عرصہ قبل شائع بھی ہو چکا ہے اور انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے۔کوئی بھی اسے پڑھ کر حقائق کو پرکھ سکتا ہے۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے کوئی نیا موقف پیش نہیں کیا گیا تھا۔ یہ وہی موقف تھا جو قائداعظم محمد علی جناح نے 11/ اگست 1947 کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا۔

You may belong to any religion cast or creed, that has nothing to to do with business of state.

جماعت احمدیہ کی طرف سے یہ موقف پیش کیا گیا تھا کہ پہلا سوال تو یہ اُٹھتا ہے کہ کیا دنیا کی کوئی بھی اسمبلی فی ذاتہ اس بات کی مجاز ہو بھی سکتی ہے کہ وہ مذہبی امور میں دخل اندازی کرتے ہوئے اس بات کا فیصلہ کرے کہ کسی جماعت یا فرقہ یا فرد کا مذہب کیا ہے۔ اور پھر جماعت احمدیہ کا یہ موقف بیان کیا گیا تھا دنیا کے ہر فرد کا یہ حق ہے کہ وہ جس مذہب سے چاہے منسوب ہو اور دنیا کا کوئی ادارہ اسے اس کے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا اور دنیا کی کسی اسمبلی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس قسم کا فیصلہ کرے۔ اور یہ انتباہ بھی کیا تھا کہ ایسا کرنا بہت سی خرابیوں اور فسادوں کو دعوت دینے کا پیش خیمہ بنے گا۔ (محضرنامہ صفحہ 3 تا 10)

کیا جماعت احمدیہ کی طرف سے جن خدشات کا اظہار کیا گیا تھا وہ صحیح تھے یا غلط؟ شاید موجودہ حالات میں اس سوال کا جواب دینا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

ایک اور بات جو اس مضمون میں بہت زور دے کر لکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جمہوریت میں تو اکثریت کا فیصلہ چلتا ہے۔ اور 1974ء کا فیصلہ تو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر کیا تھا۔ نہ معلوم متین خالد صاحب نے تاریخ مذاہب کا علم کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اگر یہی کلیہ تسلیم کیا جائے کہ کسی قوم کی اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ مذہبی معاملات میں اپنی مرضی کے فیصلے ٹھونسے تو تمام انبیاء پر اعتراض آئے گا کہ انہوں نے اپنے دور کی اکثریت کا فیصلہ کیوں قبول نہیں کیا۔ کیونکہ کم از کم آغاز میں تمام انبیاء کے متبعین اقلیت میں ہی تھے اور ان کے مخالفین اکثریت کے دعوے کر رہے تھے۔

قرآن کریم میں کئی انبیاء کے واقعات محفوظ ہیں۔ کسی ایک نے اپنے برحق ہونے کی دلیل کے طور پر اس بات کو نہیں پیش کیا کہ وہ اکثریت رکھتے ہیں اور نہ ہی مخالف کے باطل ہونے کی دلیل کے طور پر اس بات کو پیش کیا کہ وہ عددی لحاظ سے اقلیت میں ہیں۔ البتہ سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ دلیل فرعون نے استعمال کی تھی۔ جیسا کہ اس سورۃ میں لکھا ہے۔

”پس فرعون نے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیجے۔ (یہ اعلان کرتے ہوئے) یقیناً یہ لوگ ایک کم تعداد حقیر جماعت ہیں۔ اور اس کے باوجود یہ ضرور ہمیں طیش دلا کر رہتے ہیں۔“ (الشعراء: 54 تا 56)

اس کے علاوہ مضمون نگار نے ایک عجیب بات اپنے مضمون میں لکھ دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”قادیانی کہتے ہیں کہ اس وقت اراکین اسمبلی کی اکثریت زانی اور شرابی تھی۔

انھیں کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ وہ ایسا فیصلہ کرتے۔"

اس وقت کے بہت سے اراکینِ اسمبلی پر اس قسم کے الزامات لگے تو تھے لیکن خالد متین صاحب حقائق کو خلط ملط کر گئے ہیں یہ الزامات احمدیوں کی طرف سے نہیں لگائے گئے تھے کیونکہ جماعتِ احمدیہ کا موقف اللہ تعالیٰ کے فضل سے اصولوں پر قائم ہوتا ہے اور یہ موقف ہم درج کر چکے ہیں۔ جماعت احمدیہ کو اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے دوسروں کی ذاتی زندگیوں کے سکینڈل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جب بھٹو صاحب کی حکومت نے انتخابات کرانے کا اعلان کیا تو ان کے متعلق اور ان کے رفقاءِ کار کے بارے میں ان کی بہت سی مخالف جماعتوں نے اس طرح کا منفی پروپیگنڈا کیا تھا۔ اور ان جماعتوں میں وہ جماعتیں سب سے زیادہ پیش پیش تھیں جو جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنے کا ایک طویل ماضی رکھتی تھیں۔اور پھر جب ملک میں مارشل لاء لگا کر بھٹو صاحب کو اقتدار سے محروم کر دیا تو جنرل ضیاء صاحب کی حکومت نے کچھ قرطاسِ ابیض شائع کر کے اس قسم کے الزامات کو شہرت دی تھی۔ اور ضیاء صاحب جماعت احمدیہ کی مخالفت میں جو شہرت رکھتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور ان کی پشت پناہی وہ سیاسی جماعتیں کر رہی تھیں جو ہمیشہ جماعتِ احمدیہ کی مخالفت میں پیش پیش رہی ہیں۔اور اس صف میں وہ سیاسی جماعت بھی شامل تھی جس کے جریدہ 'ایشیا' میں متین خالد صاحب نے اپنا یہ مضمون شائع کرایا ہے۔اس وقت کی حکومت نے 1978 میں چار جلدوں میں قرطاسِ ابیض شائع کیا تھا جس میں بھٹو صاحب اور ان کے رفقاءِ کار پر ہر قسم کے الزامات لگائے تھے۔اور اس وقت ہائی کورٹ نے فیصلہ کرتے ہوئے بھٹو صاحب کے بارے میں 'صرف نام کا مسلمان' کے الفاظ استعمال کیے تھے جس کے جواب میں بھٹو صاحب نے سپریم کورٹ میں ایک بہت موثر تقریر کی تھی۔ اور پھر سپریم کورٹ نے جو سزا سنائی تھی اور اس پر آج تک بحث ہو رہی ہے۔اور جواب میں بھٹو صاحب نے اپنی کتاب If I am assasinated کے صفحہ 172 پر یہ الزام لگایا تھا۔ان کی ایک مخالف مذہبی جماعت کے قائد نے پاکستان کے مخالف ممالک سے رشوتیں لے کر ان کے خلاف تحریک چلائی ہے۔یہ سب کچھ تو ہوا تھا۔ان واقعات کی تفاصیل میں الجھنا مقصود نہیں۔مگر ہم یہ سمجھ نہیں پائے کہ ان کا جماعتِ احمدیہ سے کیا تعلق ہے؟ ان کے بارے میں تو ان سے دریافت کرنا چاہئے جو الزام لگا رہے تھے۔

اس مضمون میں مضمون نگار نے یہ بات بہت زور دے کر بار بار لکھی ہے کہ یہ فیصلہ جمہوری پارلیمنٹ نے کیا تھا بلکہ یہ فیصلہ متفقہ طور پر ہوا تھا۔وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ کسی ملک کی اکثریت کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ مذہبی معاملات میں اپنے نظریات کسی گروہ پر مسلط کرے۔یا ان معاملات میں دخل اندازی کرے جن کا تعلق مذہبی عقائد سے یا ضمیر سے ہو۔صرف یہ دلیل کہ یہ فیصلہ اکثریت نے کیا ہے یا متفقہ طور پر کیا گیا ہے ایسے فیصلوں کو جائز ثابت نہیں کرتا۔

فرانس کی مثال لے لیں۔جولائی 2010 میں فرانس کی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں نے حجاب یا نقاب پر پابندی لگانے کی قرارداد منظور کی اور پھر سینٹ نے ستمبر

2010 میں اس پابندی کی قرارداد کو ایک ووٹ کے مقابل پر 246 ووٹوں سے منظور کیا۔اور اس سال سے یہ قانون قابل عمل ہو گیا ہے۔یہ فیصلہ جمہوری اداروں نے کیا۔ بھاری اکثریت سے کیا۔لیکن کیا متین خالد صاحب اس فیصلہ کی تائید کریں گے؟ اور مزید یہ کہ 2008 میں یوروپی ہیومن رائٹس کورٹ نے دو مسلمان عورتوں کی اپیل مسترد کرتے ہوئے ،فرانس میں اُس وقت تک جو اقدامات اُٹھائے گئے تھے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔لیکن یہ فیصلہ درست نہیں کہلا سکتا۔فرانس کی پارلیمنٹ کو اور یوروپی یونین کی انسانی حقوق کی عدالت کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ مسلمان عورتوں کی مذہبی آزادی میں دخل اندازی کرے۔

اسی طرح بیلجیئم کی پارلیمنٹ نے اپریل 2010 میں ایک کے مقابل پر 149 ووٹوں سے یہ قانون منظور کیا کہ پبلک مقامات پر چہرہ ڈھانکنے پر پابندی ہونی چاہئے۔ اس قانون کے لاگو ہونے کے ساتھ اب وہاں پر مسلمان عورتیں اگر چاہیں بھی تو پردہ نہیں کر سکتیں۔ یہ فیصلہ بھی بھاری اکثریت سے کیا گیا اور جمہوری ادارے نے کیا مگر کیا متین خالد صاحب اس فیصلہ کی تائید کریں گے؟یقیناً بیلجیئم کی اکثریت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ وہاں کی مسلمان اقلیت کی مذہبی آزادی میں اس طرح دخل اندازی کرے۔

اسی طرح نومبر 2009 میں سوئٹزرلینڈ میں ایک ریفرنڈم کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب مسلمان اپنی مساجد کے ساتھ مینارے تعمیر نہیں کر سکیں گے۔ یہ فیصلہ جمہوری انداز میں کیا گیا لیکن درست بہر حال نہیں کہلا سکتا۔اکثریت کا یہ کام نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کرتی پھرے کہ ان کے ملک میں کسی اقلیت کی عبادت گاہ کے ساتھ مینارے ہونے چاہئیں کہ نہیں۔قصہ مختصر یہ کہ مذہبی معاملات میں کسی فیصلہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل کوئی وقعت نہیں رکھتی کہ یہ فیصلہ اکثریت نے کیا ہے۔اگر یہ کلیہ تسلیم کر لیا جائے اور اس بنیاد پر مذہبی آزادی کے معاملات پر دخل اندازی شروع ہو جائے تو دنیا میں نہ ختم ہونے فسادوں کا راستہ کھل جائے۔

یورپ میں نام نہاد آزادی اور جمہوری فیصلوں کے نام پر جو فیصلے کئے جا رہے ہیں وہ ایک خطرناک رجحان کی نشاندہی کر رہے ہیں۔یہ رجحان نہ مذہبی آزادی اور مذہبی ہم آہنگی کے لئے بہتر ہے اور نہ خود یورپ کے مفادات میں ہے۔جب 1974 میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے اس خطرناک سمت میں قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا تھا تو اسی وقت جماعت احمدیہ نے اپنے محضر نامہ میں یہ انتباہ کر دیا تھا کہ یہ رجحان پاکستان اور دوسرے ممالک میں ان گنت خرابیوں اور فسادوں کی راہ کھولنے کا موجب بن جائے گا۔

(محضرنامہ صفحہ:5)

اور یہ اصولی موقف بیان کیا تھا ''اگر کسی اسمبلی کی اکثریت کو محض اس بناء پر کسی فرقہ یا جماعت کے مذہب کا فیصلہ کرنے کا مجاز قرار دیا جائے تو کہ وہ ملک کی اکثریت کی نمایندہ ہے تو یہ موقف بھی نہ عقلاً قابل قبول ہے نہ فطرتاً نہ مذہباً......اس قسم کے امور خود جمہوری اصولوں کے مطابق ہی دنیا بھر میں جمہوریت کے دائرہ اختیار سے باہر قرار دیئے جاتے ہیں۔'' (محضرنامہ صفحہ:6)

بدظنی تمام گناھوں کی جڑ ھے

حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کی روشنی میں

﴿مکرم ندیم احمد فرخ صاحب﴾

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ظن سے بکثرت اجتناب کیا کرو۔ یقیناً بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔'' (الحجرات:13)

بدظنی ایک بہت بڑی اخلاقی برائی ہے اور بلاشبہ ہر گناہ کا ابتدائی بیج ہے۔ بظاہر جو باتیں ظاہری طور پر چھوٹی ہوتی ہیں مگر وقت آنے پر ایک مضبوط درخت بن جاتی ہیں اور یہی بدظنی گناہ کی صورت اختیار کر کے انسان کو گناہ کے گڑھے میں لا پھینکتی ہے۔ اسلئے قرآن کریم میں بدظنی سے روکا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اور وہ موقف اختیار نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ یقیناً کان اور آنکھ اور دل میں سے ہر ایک سے متعلق پوچھا جائیگا۔'' (بنی اسرائیل: 37)

ہمارے پیارے آقا و مولا امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی اپنی امت کو یہی درس دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ ''بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔''

نبی کریمؐ نے نہ صرف بدظنی سے منع فرمایا بلکہ ہمیشہ حسن ظن کی اہمیت بھی واضح فرمائی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ''حسنِ ظن ایک حسین عبادت ہے۔''

(مسند احمد بن حنبل و ابو داؤد کتاب الادب باب حسنِ ظن)

بدظنی ایک ایسی بیماری ہے کہ انسان کی روحانی زندگی کے ساتھ ساتھ جسمانی زندگی کو بھی برباد کر دیتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود و مہدی معہودؑ فرماتے ہیں:۔

''نیک ظنی انسان میں ایک فطرتی قوت ہے اور جب تک کوئی وجہ بدگمانی کی پیدا نہ ہو تب تک اس قوت کو استعمال میں لانا انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص بلاوجہ اس قوت کا برتنا چھوڑ کر بدظنی کرنے کی عادت پکڑ لے تو ایسا انسان سودائی یا وہمی یا مجنون یا مسلوب الحواس کہلاتا ہے۔ مثلاً جیسے کوئی بازار کی شیرینی یا روٹی وغیرہ کو اس وہم سے کھانا چھوڑ دے کہ کہیں حلوائیوں یا نانبائیوں وغیرہ نے ان چیزوں میں زہر نہ ملا رکھی ہو۔ یا سفر کی حالت میں ہر ایک راستہ بتلانے والے پر شک کرے کہ شاید یہ مجھے دھوکا ہی نہ دیتا ہو۔ یا حجامت کرانے کے وقت میں حجام سے ڈرے کہ کہیں استرہ مار کر مجھے قتل نہ کر دے، یہ سب خیال مقدمات جنون اور دیوانگی کے ہیں۔''

(براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد اول ص 96)

حضرت اقدس نے بہت سے مواقع پر بدظنی سے منع بھی فرمایا اور بدظنی سے پیدا ہونے والی برائیوں کا مفصل ذکر بھی فرمایا اور پھر بدظنی کے انجام سے باخبر کرنے کے ساتھ ساتھ صدق کی تعلیم دی جو کہ گناہ کی اس جڑ یعنی بدظنی کو کاٹ ڈالنے والی ہے۔حضرت اقدس نے بدظنی کو ایک ایسی بلاقرار دیا جو کہ انسان کو ایک تاریک کنویں میں گرا دیتی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

''بدظنی ایک ایسا مرض ہے اور ایسی بری بلا ہے جو انسان کو اندھا کر کے ہلاکت کے ایک تاریک کنویں میں گرا دیتی ہے۔بدظنی ہی ہے جس نے ایک مردہ انسان کی پرستش کرائی۔بدظنی ہی تو ہے جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی صفات خلق، رحم، رازقیت وغیرہ سے معطل کر کے نعوذ باللہ ایک فرد معطل اور شئے بیکار بنادیتی ہے۔الغرض اس بدظنی کے باعث جہنم کا بہت بڑا حصہ، اگر کہوں کہ سارا حصہ بھر جائے گا تو مبالغہ نہیں۔جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ماموروں سے بدظنی کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔'' (ملفوظات جلد اول ص 62)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ایک اور موقع پر فساد کی ابتداء کا موجب ظن کو قرار دیا ہے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''فساد اس سے شروع ہوتا ہے کہ انسان ظنون فاسدہ اور شکوک سے کام لینا شروع کرے۔اگر نیک ظن کرے تو پھر کچھ دینے کی توفیق بھی مل جاتی ہے۔جب پہلی ہی منزل پر خطا کی تو پھر منزل مقصود پر پہنچنا مشکل ہے۔بدظنی بہت بری چیز ہے۔انسان کو بہت سی نیکیوں سے محروم کر دیتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان خدا پر بدظنی شروع کر دیتا ہے۔''

(ملفوظات جلد 1 ص 375)

ایک اور مقام پر آپ نے بدظنی کو ایسا گناہ قرار دیا ہے کہ جس کا تعلق صرف انسان ہی نہیں بلکہ خدائے بزرگ و برتر سے بھی ہوتا ہے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔بدظنی ایک ایسا خطرناک گناہ ہے جس کا تعلق نہ صرف مخلوق سے بلکہ خالق سے بھی ہوتا ہے۔اسی طرح خدا کی طرف سے آنے والے ماموریں سے متعلق بھی یہ گناہ اپنی پوری شدت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔چنانچہ ان ہر سہ پہلوؤں کے حوالے سے سیدنا حضرت مسیح موعودؑ اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''یہ خوب یاد رکھو کہ ساری خرابیاں اور برائیاں بدظنی سے پیدا ہوتی ہیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت منع فرمایا ہے کہ ان بعض الظن اثم (الحجرات:13) میں سچ کہتا ہوں کہ بدظنی بہت ہی بری بلا ہے جو انسان کے ایمان کو تباہ کر دیتی ہے اور دوستوں کو دشمن بنا دیتی ہے۔صدیقوں کے کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان بدظنی

سے بہت ہی بچے۔اور اگر کسی کی نسبت کوئی سوءظن پیدا ہو تو کثرت کے ساتھ استغفار کرے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرے، تا کہ اس معصیت اور اس کے بُرے نتیجہ سے بچ جاوے جو اس بدظنی کے پیچھے آنے والا ہے۔اس کو کبھی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہئے۔یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے جس سے انسان بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 247,246)

ایک اور موقع پر آپ نے بدظنی کو منجر بہ جنون کے مقام پر پہنچا دینے والی قرار دیا ہے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''دو قوتیں انسان کو منجر بہ جنون کر دیتی ہیں۔ایک بدظنی اور ایک غضب جبکہ افراط تک پہنچ جاویں۔ایک شخص کا حال سنا کہ وہ نماز پڑھا کرتا تھا کہ اول ابتداء جنون کی اس طرح سے شروع ہوئی کہ اسے نماز کی نیت کرنے میں شبہ پیدا ہونے لگا اور جب پیچھے اس امام کے کہا کرے تو امام کی طرف انگلی اٹھا دیا کرے۔پھر اس کی تسلی نہ ہوتی تو امام کے جسم کو ہاتھ لگا کر کہا کرے کہ ''پیچھے اس امام کے'' پھر اور ترقی ہوئی تو امام کو ایک دن دھکا دے کر کہا کہ ''پیچھے اس امام کے'' پس لازم ہے کہ انسان بدظنی اور غضب سے بہت بچے۔''

(ملفوظات جلد سوم ص 404)

آپ نے بدظنی کو شرک کی ابتدائی اینٹ بھی قرار دیا ہے۔چنانچہ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں۔

''شر بدظنی سے پیدا ہوتا ہے۔قرآن کریم کو اول سے آخر تک پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بدظنی مت کرو۔اللہ تعالیٰ کا ساتھ نہ چھوڑو۔اسی سے مدد مانگو۔اللہ تعالیٰ ہر میدان میں مومن کی مدد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں میدان میں تیرے ساتھ ہوں وہ اس کے لئے ایک فرقان پیدا کر دیتا ہے۔جو اس کے وعدوں پر بھروسہ نہیں کرتا وہ بدظنی کرتا ہے۔جو شخص خدا تعالیٰ سے نیک ظن کرتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بدظنی کرتا ہے وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے لئے کوئی دوسرا معبود بنائے اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (ملفوظات جلد چہارم ص 25)

چنانچہ اسی بات کا اظہار آپ اپنے منظوم کلام میں یوں فرماتے ہیں۔

گر نہ ہوتی بدگمانی کفر بھی ہوتا فنا
اس کا ہووے ستیاناس اس سے بگڑے ہوشیار
بدگمانی سے تو رائی کے بھی بنتے ہیں پہاڑ
پر کے اک ریشہ سے ہو جاتی ہے کوؤں کی قطار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔روحانی خزائن جلد نمبر 21 صفحہ 130)

پھر ایک اور موقع پر آپؑ نے تمام گناہوں کی جڑ قرار دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:۔

''سارے گناہوں کی جڑ بدظنی ہے۔لکھا ہے کہ جب کافر لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے انہیں کہا جائے گا

کہ یہ تمہاری بدظنی کا نتیجہ ہے۔خدا تعالیٰ کا رسول تمہارے پاس آیا۔اس نے تمہیں نیکی کی بات سکھائی۔توبہ اور استغفار کا سبق دیا پر تم نے اسکی مخالفت کی اور اس پر بدظنی کر کے کہا کہ تجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام نہیں ہوتا۔تو سب باتیں اپنے پاس سے بنا کر کہتا ہے۔'' (ملفوظات جلد 5 ص 40)

پھر آپ نے بدظنی کے انجام سے باخبر کرتے ہوئے فرمایا۔''انسان کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ پر بدظنی کرنے سے بچے کیونکہ اسکا انجام آخر میں تباہی ہوا کرتا ہے۔جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے (۔) (حم السجدۃ:24) اس لئے سمجھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ پر بدظنی کرنا اصل میں بے ایمانی کا بیج ہوتا ہے۔جس کا نتیجہ آخر کار ہلاکت ہوا کرتا ہے۔جب کبھی خدا تعالیٰ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا ہے تو جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔'' (ملفوظات جلد پنجم ص 412)

حضرت اقدس ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:۔

''غرض بدظنی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔یہاں تک لکھا ہے کہ جس وقت دوزخی لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے یہی فرمائے گا کہ تم نے اللہ تعالیٰ پر بدظنی کی۔بعض لوگ اس خیال کے بھی ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خطاکاروں کو معاف کر دے گا اور نیکوکاروں کو عذاب دے گا۔ایسا خیال بھی اللہ تعالیٰ پر بدظنی ہے۔اسلئے کہ اس کی صفت عدل کے سراسر خلاف ہے۔گویا نیکی اور اسکے نتائج کو جو قرآن شریف میں اس نے مقرر فرمائے ہیں، بالکل ضائع کر دینا اور بے سود ٹھہرانا ہے۔پس خوب یاد رکھو کہ بدظنی کا انجام جہنم ہے۔اس کو معمولی مرض نہ سمجھو۔بدظنی سے ناامیدی اور ناامیدی سے جرائم اور جرائم سے جہنم ملتا ہے۔بدظنی صدق کی جڑ کاٹنے والی چیز ہے۔اس لئے تم اس سے بچو اور صدیق کے کمالات حاصل کرنے کے لئے دعائیں کرو''۔ (ملفوظات جلد اول ص 247)

خدا تعالیٰ ہمیں بدظنی سے بچائے اور ہمیشہ صدق اور تقویٰ کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اولادوں کو بھی اس سے بچائے۔خدا کرے کہ ہم قرآن اور فرمان مصطفیٰ ﷺ اور ہدایت مسیح الزماں اور خلفاء امت کے احکامات کی مکمل تعمیل کرنے والے ہوں۔(آمین)

عین وقت پر بھیجا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''حقیقی ستائش کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے جس نے اپنے بندے کو عین وقت پر بھیجا اور اسے زمانے کے فساد اور بے یارو مددگار ہونے کی حالت میں آسمان سے نازل فرمایا پس کیا تم میں سے کوئی ہے جو اس قضا و قدر کو ردّ اور اس کی بنیاد کو منہدم کر سکے۔''

(علامات المقربین اردو ترجمہ صفحہ:105)

ہم احمدی انصار ہیں

(مکرم رانا فضل الرحمٰن نعیم صاحب۔ لاہور)

ہم احمدی انصار ہیں
ہم مخزنِ افکار ہیں
ہم معدنِ انوار ہیں
ہم صاحبِ کردار ہیں
ہم احمدی انصار ہیں

ہم مرکزِ تدبیر ہیں
ہم صبح کی تنویر ہیں
ہم عشق کی تفسیر ہیں
ہم کوشش و تدبیر ہیں
ہم احمدی انصار ہیں

ہم دلبر و دلدار ہیں
ہم درد کے اشعار ہیں
گو آج ہم لاچار ہیں
پر شجر سایہ دار ہیں
ہم احمدی انصار ہیں

ہم بوریا نشین ہیں
سنجیدہ اور متین ہیں
ہم پیار کی مشین ہیں
دلوں میں ہم مکین ہیں
ہم احمدی انصار ہیں

ہم ملگجی شُعاعیں ہیں
اور شب کی ہم دعائیں ہیں
ہم پھول کی ردائیں ہیں
ہم شبنمی ہوائیں ہیں
ہم احمدی انصار ہیں

خلافت اک نظام ہے
کہ جس کو اب دوام ہے
اور اس میں کیا کلام ہے
حضور کو سلام ہے
ہم احمدی انصار ہیں

ہم نظم ہیں منظوم ہیں
ہم عشق کا مفہوم ہیں
گو آج ہم مظلوم ہیں
سب کے لئے مغموم ہیں
ہم احمدی انصار ہیں

دلوں کے ہم حلیم ہیں
ہم فطرتاً سلیم ہیں
ہم نیک خو کریم ہیں
ہم سادہ دل نعیم ہیں
ہم احمدی انصار ہیں

آدمی کو حق تعالیٰ سے ملاتی ہے نماز

ابتداء سے انتہاء تک ہے سراسر یہ دعا
آدمی کو حق تعالیٰ سے ملاتی ہے نماز

ذکر و شکر اللہ کا ہے مومن کا ہے معراج یہ
پنج وقتہ وصل کے ساغر پلاتی ہے نماز

جھک گئے دست بستہ ہیں جبیں ہے خاک پر
عاجزی کس کس طرح ان سے کراتی ہے نماز

ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں محمود و ایاز
یہ سلوک اور یہ مساواتیں سکھاتی ہے نماز

جو نمازوں میں دعا ہو، ہے اجابت کے قریب
اس دعا کو تو نشانہ پر بٹھاتی ہے نماز

حضرت باری کو پہلے آسماں پر ہر سحر
عرش سے وقت تہجد کھینچ لاتی ہے نماز

اے خدا ہم کو عطا کر اور ہماری نسل کو
نعمتیں اور بخششیں جو جو بھی لاتی ہے نماز

(حضرت میر محمد اسماعیل صاحب)

Regd # FR - 8

Monthly ANSARULLAH

October 2011

Editor:
Muhammad Mahmood Tahir
(c.nagar:35460) E-mail: ansarullahpakistan@gmail.com
Ph: 047-6212982 Fax: 047-6214631 Cell: 0336-7700250

جماعت احمدیہ امریکہ کی مرکزی بیت الذکر بیت الرحمٰن میری لینڈ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بیت الرحمٰن کا سنگ بنیاد 9؍اکتوبر 1987ء کو رکھا

جبکہ 14؍اکتوبر 1994ء کو آپ نے اس کا افتتاح فرمایا۔